"جنابِ سیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی کہانی" اور "دس بیبیوں کی کہانی" نامی

کتابچوں کا شرعی حکم

بنام

سچ یا جھوٹ؟

مؤلف

مفتی محمد اکمل عطا قادری عطاری

زید مجدہ

ناشر

مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور

مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور پاکستان

786

92

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب............................ سچ یا جھوٹ؟

مؤلف............................ مفتی محمد اکمل عطاری مدظلہ العالی

صفحات............................ 64

قیمت............................ 21 /14

رابطے کے لئے

مکتبہ اعلیٰ حضرت

دربار مارکیٹ ستا ہوٹل دکان نمبر (4) لاہور

PH: 042- 7247301

E.Mail: ajmalattari20@hotmail.com

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مکتبہ اعلیٰ حضرت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بحسن وخوبی جہادِ قلمی میں مصروف ہے۔ہماری مسلسل کوشش ہے کہ معاشرے کی پاکیزگی کے لئے زیادہ سے زیادہ برائیوں کی نشاندہی کی جائے۔تاکہ ہمارے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے لئے جانبِ احتیاط اختیار کرنا آسان سے آسان تر ہوتا چلا جائے۔

الحمد للہ(عزوجل) زیرِنظر رسالہ بھی اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ہے۔ہماری سادہ لوح مسلمان بہنیں عرصہ دراز سے ''جنابِ سیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی کہانی'' اور..''دس بیبیوں کی کہانی'' نامی رسالے بہت ذوق وشوق وعقیدت واحترام سے پڑھ رہیں تھیں۔حالانکہ ان میں بے شمار خلافِ شرع باتیں بھری پڑی ہیں۔لیکن چونکہ ان کی تفصیلاً نشاندہی نہیں کی گئی،لھذا کنارہ کشی کی بھرپور عملی کوشش نظر نہیں آئی۔

علامہ محمد اکمل عطاری زید مجدہ نے ان دو رسالوں میں موجود اغلاط کی تفصیلاً نشاندہی کی ہے۔ان شاءاللہ(عزوجل) امید ہے کہ جس نے اس رسالے کو توجہ اور دل کی آنکھوں سے پڑھا،وہ آئندہ ان رسائل کے قریب نہیں آئے گا۔

آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اگر آپ اس رسالے کو مقصدِ مذکور کے سلسلے میں نافع پائیں،تو دوسروں کو اس کی ترغیب ضرور دیں۔

اسکے ساتھ ساتھ ہمارے نئی تصانیف بنام''جاہل صوفی''...''جوابِ اذان کی شرعی حیثیت''..اور..''مسجد میں بلند آواز سے ذکر'' بھی ضرور مطالعہ فرمائیے۔اللہ ہم سب کو مل جل کر دین کی خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین بجاہ النبی الامینِ (صلی اللہ علیہ وسلم)

محمد اجمل عطاری

۱۸ ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ بمطابق 11 فروری 2004ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ و علی الک واصحابک یاحبیب اللہ

تعلیماتِ اسلام سے روگردانی کے باعث مسلمان جس قدر پستی وذلت ونقصانات کا شکار ہے، ایک ذی فہم پر ہرگز مخفی نہیں۔اس نحوستِ جہالت کی بناء پر جہاں قدم قدم پر بے شمار سعادتوں سے محرومی کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے، وہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والے کاموں میں مشغولیت بھی بسا اوقات جہنم کی راہ دکھاتی، دکھائی دیتی ہے۔

راقم الحروف کو کچھ دن قبل ایک استفتاء موصول ہوا، جس میں ''اعجازِ جنابِ سیدہ'' اور''دس بیبیوں کی کہانی'' نامی دو رسالوں کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا گیا تھا کہ ان کے پڑھنے میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟...نیز ان میں موجود مواد، تعلیماتِ اسلامی کے مطابق اور اخلاقِ مسلمین کی بہتری کے لئے مفید ہے یا نہیں؟...

مذکورہ رسائل کا سرسری جائزہ لینے کے بعد منکشف ہوا کہ ان میں درج واقعات، بالکل من گھڑت اور شرعی لحاظ سے بے شمار ناجائز اور غیر معتبر باتوں پر مشتمل ہیں۔غالباً اسلام دشمن عناصر نے عوام الناس کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ،اہل سنت وجماعت میں ان کتب کا پڑھنا رائج کروا دیا، تاکہ دینِ اسلام کی اصل اور صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے اور رکھنے والی پاکیزہ تعلیمات کی جانب سے توجہ ہٹائی جاسکے۔

چونکہ ان کے پڑھنے میں مسلمان بہنوں کی کثیر تعداد حسبِ عادت ''بے حد

عقیدت ومحبت'' سے مصروفِ عمل ہے، لھذا بہتر محسوس ہوا کہ ان دونوں کتب میں موجود اغلاط وخرافات کے بارے میں علیحدہ علیحدہ نشاندہی کر کے، پوری تفصیل کو ایک رسالے کی شکل میں شائع کر دیا جائے، تاکہ سائل کے ساتھ ساتھ ہماری سادہ لوح مسلمان بہنوں پر بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ جن رسائل کو بے حد معتبر و مبارک سمجھ کر پڑھا جارہا تھا، وہ ہرگز باعثِ برکت ولائق احترام نہیں، بلکہ جھوٹ والزام تراشی، سیدالانبیاء حبیب کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی صاحبزادی شہزادیٔ کونین وجنتی عورتوں کی سردار بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی سخت توہین و بے ادبی، خلافِ تعلیماتِ اسلام اموراور دیگر کئی من گھڑت باتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس قابل ہیں کہ انہیں اپنے گھروں سے فوراً سے پیشتر نکال کر، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ اور بعد توبہ نجات پانے پر شکرانے کے نفل ادا کیے جائیں۔

آیئے اب دونوں رسالوں پر قرآن وسنت کی روشنی میں محاسبانہ نظر ڈالنے کی سعادت حاصل کی جائے۔ چنانچہ

''اعجازِ جنابِ سیدہ'' نامی رسالے میں دو واقعات نقل کیے گئے ہیں۔ جن میں سے پہلے واقعے میں اولاً درج ہے کہ کسی سنارن کا بچہ گم ہو گیا، تلاش کرنے پر پتا چلا کہ بھٹی میں گر کر جل گیا ہے۔ سنارن غم سے بے ہوش ہو گئی، خواب میں ایک نقاب پوش معظّمہ نظر آئیں، فرمایا، ''غم نہ کر تو نیت کر لے کہ اگر میرا بیٹا بھٹی سے صحیح سالم نکل آیا، تو میں جنابِ سیدہ کی کہانی سنوں گی۔'' سنارن نے عالمِ غشی میں ہی نیت کر کے منت مان لی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ بیٹا زندہ سلامت ہنستا کھیلتا چلا آرہا

ہے اور اعجازِ جنابِ سیدہ سے اس کے جسم پر آگ نے کوئی اثر نہیں کیا، یہاں تک کہ لباس بدن بھی محفوظ رہا۔ سنارن بچہ لے کر بازار گئی، دو پیسے کی شیرینی خریدی اور چھ سات گھروں میں گئی کہ مجھے جنابِ سیدہ کی کہانی سنادو، ہر ایک نے یہی کہا کہ نہ ہمیں کہانی یاد ہے اور اور نہ ہی اتنی فرصت کہ ان فضول باتوں کی جانب توجہ دیں۔ وہ سب سے مایوس ہو کر جنگل کی طرف چل دی، وہاں وہی نقاب پوش خاتون نظر آئیں[1] اور کہا مت رو، بیٹھ میں کہانی سناتی ہوں۔ پھر اس نے فرمایا۔

آگے جو لکھا گیا اس میں درج ذیل خرافات موجود ہیں۔

(1) رسالے میں جابجا شفیع محشر (صلی اللہ علیہ وسلم) اور خاتون جنت بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے نامی نامی اسم گرامی کے ساتھ مکمل درود پاک اور رضی اللہ عنہا کے بجائے ''(ﷺ)'' اور ''(رض)'' لکھا گیا ہے۔ یقیناً پڑھنے والی مسلمان بہنیں اپنے نزدیک اس مبارک رسالے میں موجود اس کارنامے کو بالکل درست و صحیح تصور کرتے ہوئے خود بھی اس کی مرتکب ہونے میں عار محسوس نہ کریں گی، حالانکہ سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام اقدس کے ساتھ فقط ''(ﷺ)'' یا ''صلعم'' لکھنا حرام اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے اسم مقدس کے ساتھ ''(رض)'' لکھنا باعثِ محرومی برکت ہے۔

بہارِ شریعت میں بحوالہ طحطاوی ہے، ''اکثر لوگ آج کل درود شریف کے بجائے صلعم، عم، (ﷺ)، ۱۴۰ لکھتے ہیں، یہ ناجائز و سخت حرام ہے۔ یو ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[1]: آخر میں بتایا جائے گا کہ یہ نقاب پوش خاتون خود جنابِ سیدہ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تھیں۔ (۱۲ منہ)

کی جگہ'' (ؓ)''اور رحمہ اللہ تعالیٰ کی جگہ'' (ؒ)'' لکھتے ہیں، یہ بھی فضہ چاہیئے۔''

(جلد اول۔حصہ سوم۔صفحہ ۲۶)

(2) اس میں اولاً بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا ایک سنارن کو خود اپنے فضائل ومناقب سے بھرپور واقعہ سنانا، طریقہ اولادِ رسول (ﷺ) اور اکابرین اسلام سے ہٹ کر ہے۔ یہ نفوس قدسیہ بلا ضرورتِ شرعیہ اپنے فضائل بیان کرنے سے گریز کرتے تھے۔ کیونکہ بغیر کسی صحیح ضرورت کے خود اپنے منہ سے اپنی تعریف وکمالات کا اظہار، شریعت کو ہرگز محبوب نہیں اور جو کام شرع ناپسند فرمائے، اکابرین اسلام اس کے ارتکاب سے کوسوں دور رہا کرتے تھے۔ اس قسم کے واقعات کو سن کر یقیناً اپنی زبان سے اپنے کارنامے بیان کرنے کی ترغیب حاصل ہوگی اور ایسی ترغیب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کو محبوب نہیں۔

(3) آگے مذکور ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہ (ﷺ) کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ

''میری لڑکی کی شادی ہے، آپ اجازت دیں، تو میں شرف پاؤں کہ جنابِ سیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میرے گھر میں تشریف لے چلیں۔''

اولاً تو ایسا ممکن ہی نہیں کہ کوئی یہودی حصول شرف کے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی صاحبزادی کی شرکت کا سوال کرے۔ کیونکہ یہودی قوم اللہ عزوجل کے حبیب (ﷺ) اور مسلمانوں سے سخت بغض رکھتے ہیں۔ جس کی قرآن میں جا بجا نشاندہی کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے،

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ ۔اور ہرگز تم سے یہود اور نصاریٰ راضی نہ ہوں گے، جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کرو۔'' (پ ا۔ بقرہ۔۱۲۰)

معلوم ہوا کہ یہودیوں کی تمنا ہے کہ مسلمان، اسلام کو چھوڑ کر ان کی دین کی پیروی کریں۔

مزید ارشاد ہوا،

''وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ لَوْیَرُدُّوْنَکُمْ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا ط حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِھِمْ مِّنْ بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَھُمُ الْحَقُّ ۔یعنی بہت کتابیوں نے چاہا کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں، اپنے دلوں کی جلن سے بعد اس کے کہ حق ان پر خوب ظاہر ہو چکا ہے۔''

(پ ا۔ بقرہ۔۱۰۹)

پتا چلا کہ حق جاننے کے باوجود یہ شیطانی ٹولہ ایمان لانے والے صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے حسد کرتا تھا اور ان کے لئے تمنا رکھتا تھا کہ یہ ایمان کے بعد دوبارہ کفر کی جانب لوٹ جائیں۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ۔ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور

مشرکوں کو پاؤ گے۔'' (پ ٦۔ مائدہ۔ ٨٢)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہودیوں کو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے۔

پھر عقلی لحاظ سے بھی یہ بات حقیقت سے بہت بعید نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی (ﷺ) کو نظر انداز کر کے ان کی صاحبزادی کے لئے شرکت کی اجازت طلب کی جائے۔

پھر بالفرض اگر یہ بات تسلیم کر بھی لی جائے کہ واقعی کسی یہودی نے حاضر ہو کر اس قسم کی کسی خواہش کا اظہار کیا تھا، تو جواب میں رسول اللہ (ﷺ) کی جانب انکار کے بجائے نیم رضامندی کا اظہار منسوب کر دینا، سخت بے ادبی، یہودی سازش کا نتیجہ اور باعثِ غضبِ الٰہی ہے۔

اولاً اس لئے کہ وہ شادی مسلمانوں کی نہ تھی یہودیوں کی تھی، جس میں پردے کے اہتمام اور مردوں عورتوں کے لئے الگ الگ حصے کے انتظام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے مرد فاسق و فاجر، شراب پینے والے، سور کھانے والے، زانی اور ہر طرح کی برائی میں ملوث تھے۔ عورتیں بے پردگی، زناء اور دیگر ہر طرح کی برائیوں میں مبتلاء تھیں۔ ایسی ناپاک محفل میں شہزادیٔ کونین کی شرکت کا تذکرہ درست ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم تسلیم کر رہے ہیں کہ آپ کافر مردوں اور بے حیاء و بے ادب عورتوں کے درمیان تشریف فرما ہوئیں اور کس کی اجازت سے؟..... اللہ کے سب سے پیارے نبی (ﷺ) کی اجازت سے؟...۔ ایسی محفل میں تو شرکت کا

ارادہ ہی گناہ تھا، چہ جائیکہ صاحبزادئ رسول (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لئے اس میں جانا ثابت کیا جائے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

مسلمان بہنو!

ذرا ہوش وحواس قائم رکھتے ہوئے ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ اگر کوئی یہودی آپ کے گھر پر آکر آپ کی جوان بیٹی کے بارے میں کہے کہ

''ہم عزت وشرف حاصل کرنا چاہتے ہیں لھذا اسے ہماری شادی میں بھیج دو۔''

اور آپ کو بخوبی معلوم بھی ہو کہ اس محفل میں بڑے بڑے بے غیرت مرد اور خبیث عورتیں بیٹھی ہوں گی، تو کیا آپ کی غیرت یہ بات گوارا کرے گی کہ اپنی جوان بیٹی کو بغیر کسی گھر کے مرد کے تن تنہا، بنا سنوار کر اس محفل میں بھیج دیا جائے؟......

یونہی بالفرض اگر آپ کی قریبی مسجد کے امام کے پاس ایک یہودی اسی قسم کا مطالبہ لے کر آئے اور وہ امام اپنی جوان بیٹی کو ان کی شادی میں بھیج دے، تو آنکھیں بند کر کے ایمان داری کے ساتھ سوچیں کہ اس امام کے لئے آپ کے تاثرات کیا ہوں گے۔

اب ذرا غیرت ایمانی کا دامن تھام کر خود سے جواب طلب کیجئے کہ جس بات کو ایک ادنیٰ امتی کا قلب وذہن، بے حیائی وبے غیرتی سے تعبیر کرے اور اسے اپنے اور دوسرے کسی امتی کے لئے کسی صورت میں محبوب نہ رکھے، وہی بات اللہ تعالیٰ

کے محبوب (ﷺ) اور ان کی صاحبزادی کی جانب منسوب کرنا، کیا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) رسول خدا، حبیبِ کبریاء (ﷺ) اور ان کی شرم وحیاء کی پیکر صاحبزادی کی طرف بے حیائی اور خلافِ شرع کام کی نسبت کرنا نہیں ہے؟....

اور پھر ایسے جھوٹے واقعات کو برائی کے ساتھ نہیں، بلکہ ثواب کی نیت سے بیان کرنا، کیا اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کو دعوت نہ دے گا؟......

ثانیاً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر یہودیوں سے دوستی اور مل جول سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ

☆ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں منافقین کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا،

"وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ اَوْلِيَاءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ ☆لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا۔ اور اگر وُہ ایمان لاتے اللہ اور ان نبی پر اور اس پر جو ان کی طرف اترا، تو کافروں سے دوستی نہ کرتے، مگر ان میں تو بہتیرے (یعنی بہت سے) فاسق ہیں۔ ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے۔" (پ٦۔ ٨٢)

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ یہودیوں سے دوستانہ میل جول منافقین کا طریقہ تھا، نیز مشرکین کی طرح یہودی بھی مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ بلکہ علامہ فخرالدین رازی (قدس سرہ)، یہودیوں کو، مشرکین سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، "بل نبه علی انهم اشد فی

العداوة من المشركين من جهة انه قدم ذكرهم علی ذكر المشركين ۔یعنی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس امر پر تنبیہ فرمائی کہ یہ مسلمانوں کی دشمنی میں مشرکین سے زیادہ شدید ہیں، کیونکہ اس نے ان کے ذکر کو مشرکین کے ذکر پر مقدم رکھا ہے۔'' (تفسیر کبیر۔جلد۴۔۳۱۳)

کیا مطالعہ فرمانے والی ہماری مسلمان بہنیں اور بھائی، اس آیت کے پیش نظر اس بات سے اتفاق نہ فرمائیں گے کہ اس کتاب کے مؤلف نے ہمارے نبی کریم (ﷺ)، حضرت علی اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی جانب ایک فعل منافقین کو منسوب کرنے کی جرأت کی ہے اور یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ نفوس قدسیہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن سے میل جول رکھا کرتے تھے؟.....

☆سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے،

''لَایَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ط وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ ۔مسلمان، کافروں کو اپنا دوست نہ بنالیں، مسلمانوں کے سوا اور جو ایسا کرے گا، اسے اللہ سے کچھ علاقہ (یعنی تعلق) نہ رہا۔'' (پ۳۔۲۸)

معلوم ہوا کہ مسلمان کو فقط مسلمان سے ہی دوستی، محبت اور میل جول رکھنا چاہیئے، جو اس کے برخلاف کرے گا، اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہاں یہ مسئلہ جاننا مفید رہے گا کہ مسلمان کا کافروں سے میل جول رکھنا تین طرح کا ہوتا ہے۔

(1) یہ ان کے کفر سے راضی ہے اور اسی سبب سے ان سے میل جول بھی رکھتا ہے۔ایسا میل جول شرعی لحاظ سے ممنوع و کفر ہے، کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ،اس کافر کو اس دین کے اختیار کرنے میں درست قرار دے رہا ہے اور کفر کو درست قرار دینا.. یا.. کسی کے کافر رہنے پر راضی رہنا کفر ہے۔

(2) فقط دنیاوی امور مثلاً خرید و فروخت یا اجارہ وغیرہ کے سلسلے میں میل جول رکھتا ہے اور اسی سبب سے صرف ظاہراً ان سے اچھا برتاؤ رکھتا ہے یعنی نہ تو ان سے محبت ہے اور نہ ہی ان کے دین کو حق تسلیم کرتا ہے۔یہ میل جول شرعی لحاظ سے ممنوع نہیں۔

(3) ان سے میل جول قلبی میلان، ان پر اعتماد و بھروسہ کرنے اور ان کی امداد وغیرہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہو، اب یہ میلان چاہے رشتہ داری کی وجہ سے ہو.. یا.. ان کے دین کو باطل سمجھتے ہوئے فقط قلبی محبت کی وجہ سے۔میل جول کی یہ صورت بھی شرعی لحاظ سے ممنوع ہے، لیکن وجہِ کفر نہیں۔

یہاں ممانعت کا سبب یہ ہے کہ ایسا میل جول آہستہ آہستہ ان کے مذہب و مذہبی طور طریقوں کی کراہیت کو دل سے نکال دیتا ہے اور بسا اوقات میل جول رکھنے والا مسلمان ان کے مذہب کے طریقوں اور دیگر رسومات کو اچھا سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور یہ چیز اسے اسلام سے خارج کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر۔جلد ۳۔صفحہ ۱۹۲)

ان تینوں صورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شادی میں شرکت اور رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جانب

سے اس پر رضامندی والے معاملے پر نظر ثانی فرمائیں۔ معلوم ہوگا کہ چونکہ یہ معاملہ تجارت یا اجارہ وغیرہ کا نہ تھا، لھذا دوسری اور جائز صورت نہ پائی گئی۔

اب باقی دو ہی صورتیں رہ گئیں اور دونوں ہی شرعی لحاظ سے ممنوع ہیں، لھذا ثابت ہوا کہ مؤلفِ کتاب نے ان مبارک ہستیوں کی جانب ایک ممنوعہ کام کی نسبت کر کے شدید گستاخی کا ارتکاب کیا ہے اور ہماری مسلمان بہنیں، اپنی نادانی و جہالت کے باعث اس گستاخی کو "ثواب کی نیت سے" بار بار دہرانے میں مصروف عمل ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ آمین

☆ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا،

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا، تو وہ انہیں میں سے ہے، بے شک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا۔" (پ ٦۔ ۵١)

علامہ فخر الدین رازی (قدس سرہ) اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبادہ بن صامت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)، رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور یہودیوں سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ وہیں عبداللہ بن ابی منافق بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے یہ سنا تو فوراً بولا، "لیکن

میں تو ان سے بیزار نہیں ہوں، کیونکہ میں مصائب وآلام کا خوف رکھتا ہوں۔'' یعنی میں ان سے اس لئے بیزار نہیں کہ مجھے امید ہے کہ اگر میں کسی مصیبت میں گرفتار میں ہوا، تو یہ لوگ میری مدد کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل کی گئی اور ان دونوں دشمنان اسلام کو دوست بنانے سے منع کر دیا گیا اور مراد یہ ہے کہ امداد طلب کرنے کے سلسلے میں نہ تو ان پر اعتماد کیا جائے اور نہ ہی ان سے دوستی ومحبت کا تعلق قائم کیا جائے۔

آگے لکھتے ہیں کہ

''حضرت ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے ایک عیسائی کو بطورِ کاتب ملازم مقرر کیا ہے۔'' آپ نے ارشاد فرمایا، ''اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے [1] یہ تو نے کیا کیا، کسی مسلمان کو نہیں رکھ سکتا تھا؟... کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عالیشان نہیں سنا، ''لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اَوْلِیَآءَ۔ یعنی یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ؟''.... میں نے عرض کی کہ ''اس کے لئے اس کا دین ہے، میرے لئے فقط اس کی کتابت ہے۔'' [2] یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا، ''جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توہین کی ہے، تو تو ان کی تعظیم مت کر، جب اللہ عزوجل نے انہیں ذلیل کیا ہے، تو تو انہیں عزت مت دے اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں دور کیا ہے، تو تو انہیں قریب مت کر۔'' [3] (تفسیر کبیر۔ جلد۴۔ صفحہ ۳۷۵)

[1]: یہ جملہ بطورِ بددعا نہیں، بلکہ فقط محاورۃً ارشاد فرمایا۔ (۱۲ منہ) [2]: یعنی میں نے اسے اس کے دین کی محبت کی وجہ سے نہیں رکھا، بلکہ اس کے وصفِ کتابت سے فائدہ اٹھانا مقصود تھا۔ (۱۲ منہ) [3]: حضرت عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اس عیسائی کو نوکر رکھنے کی مسلسل مخالفت فقط ان کے دین سے اظہارِ بیزاریت کے لئے تھی، ورنہ عیسائی کو نوکر رکھنا شرعی لحاظ سے ممنوع نہیں۔ اگرچہ اولیٰ مسلمان کو ہی مقرر کرنا ہے۔ (۱۲ منہ)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یہود و نصاریٰ سے دوستی و محبت کا تعلق قائم کرنا قطعی محبوب نہیں اور اس کی جانب سے اس کی شدید ممانعت بھی ہے۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا،

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ط وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ۔ اے ایمان والو غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے۔ ان کی آرزو ہے جتنی ایذاء انہیں پہنچے۔ بیر (یعنی شدید بغض) ان کی باتوں سے جھلک اٹھا، اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے۔" (پ۴۔۱۱۸)

علامہ نعیم الدین مرادآبادی (قدس سرہ) اس آیت کے تحت بیان فرماتے ہیں،

"بعض مسلمان یہودیوں سے قرابت، دوستی اور پڑوس وغیرہ کی بناء پر میل جول رکھتے تھے، ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مسئلہ:۔ کفار سے دوستی و محبت کرنا اور انہیں اپنا راز دار بنانا، ناجائز و ممنوع ہے۔"

معلوم ہوا کہ رشتہ داری، دوستی اور پڑوسی ہونا بھی یہودیوں سے میل جول کے لئے عذر نہیں۔

غور فرمایئے کہ ان تمام امور کے باوجود مؤلفِ کتاب کا اس قسم کا واقعہ گھڑنا کہ جس سے حبیبِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے اہل بیت کا اس ممنوع کام میں مشغول ہونا ظاہر ہوتا ہو، کس قدر قابل نفرت و لائق مذمت ہے، لیکن اس کے برعکس

ہماری مسلمان بہنیں اس واقعے کو بے حد عقیدت و محبت سے عبادت سمجھ کر سنتی، سناتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں موت سے پہلے پہلے کامل سمجھ و شعور عطا فرمائے۔ آمین

نیز سوچئے کہ اگر آج کوئی مسلمان، یہودیوں سے میل جول رکھے، اپنے گھر والوں کو ان کے پاس آنے جانے سے نہ روکے اور اپنے فعل کو جائز قرار دینے کے لئے اسی خود ساختہ کہانی کو بطورِ دلیل پیش کرے، تو آپ ایسے شخص کے بارے میں کیا تاثرات رکھیں گے؟....

ثالثاً اس لئے کہ سرکار (ﷺ) کا جواب میں بے چارگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمانا ''اس امر کے مالک علی ہیں'' ثابت کرتا ہے کہ آپ کو اس معاملے میں کلی اختیارات سے نہیں نوازا گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ واضح طور پر قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے،

''مَاکَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ ط وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا۔ اور نہ کسی مسلمان مرد اور مسلمان عورت کو (حق) پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمادیں، تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار ہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی بہکا۔''

(پ۲۲۔ الاحزاب۔۳۶)

(4) جب رسول اللہ (ﷺ) نے اسے کہا کہ اس امر کے مالک علی ہیں، تو آگے مذکور ہے کہ

’’یہ سن کر وہ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ اجازت دیں، تو جنابِ سیدہ میرے گھر تشریف لے چلیں۔‘‘ آپ نے فرمایا، ’’اس امر کی مالک خود جنابِ سیدہ ہیں۔‘‘

یہ حصہ کم از کم چار بے ادبیوں پر مشتمل ہے۔

(i) اس میں رسول اللہ (ﷺ) کو (معاذ اللہ) جھوٹا ثابت کیا گیا ہے۔ کیونکہ مخبرِ اعظم (ﷺ) کا فرمان تھا، ’’اس امر کے مالک علی ہیں۔‘‘ جب کہ حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا کہ ’’اس امر کی مالک خود جنابِ سیدہ ہیں۔‘‘ معلوم ہوا کہ رسول اللہ (ﷺ) کا حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اس امر کا مالک قرار دینا غلط بیانی پر مشتمل تھا۔ معاذ اللہ

(ii) خود حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جانب ایک غلط بات منسوب کی گئی ہے، کیونکہ عورت کو گھر سے نکلنے دینے یا نہ نکلنے دینے کا اختیار شوہر کو دیا گیا ہے، نہ کہ زوجہ کو۔

(iii) حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جانب سے نیم رضامندی ظاہر کی گئی ہے، جس کی قباحت کچھ ۔ پیر قبل سید الانبیاء (ﷺ) کی نیم رضامندی کے بیان کے تحت ذکر کر دی گئی۔

(iv) حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جانب بے حیائی کی نسبت کی گئی ہے۔ کیونکہ ایک غیر مرد اور وہ بھی اسلام دشمن یہودی کو بلا ضرورتِ شرعیہ اپنی زوجہ سے ہم کلام ہونے کی اجازت دینے کو کون ذی شعور انسان حیاء و غیرت کی علامت

قرار دے سکتا ہے؟....

کیا آج کا مسلمان یہ بات گوارا کر سکتا ہے کہ کوئی یہودی براہِ راست اس کی زوجہ کے پاس آ کر اسے اپنی خرافات و نازیبا حرکات پر مشتمل تقریب میں شرکت کی دعوت دے؟...

یقیناً ہرگز نہیں، تو پھر ہم مسلمانوں کی حیاء منہ چھپا کر کہاں سوگئی کہ مولی علی شیرِ خدا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جانب اس بے حیائی کو نہ صرف دیدہ دلیری سے منسوب کر رہے ہیں، بلکہ اسے کارِ ثواب بھی سمجھا جا رہا ہے۔....اللہ تعالیٰ ایسے نادان مسلمانوں کو ہوش و حواس کے ناخن لینے کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

پھر اگر وہ یہودی یوں کہتا کہ

''اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! میری خواہش ہے کہ آپ اپنی زوجہ سمیت ہماری شادی میں شرکت فرمائیں۔''

تو پھر بھی اس دعوت دینے کو معقول قرار دیا جا سکتا تھا، لیکن اس کی جانب سے شوہر کو نہیں، بلکہ صرف اور صرف زوجہ کو دعوت دی جا رہی ہے اور حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اظہارِ ناراضگی کے بجائے، بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس بھیج دیا۔ اس بات کو کون مسلمان درست مان سکتا ہے؟... کیا آپ اسے اپنے لئے روا رکھ سکتے ہیں؟...

(5) آگے مذکور ہے کہ

''اس کے بعد یہودی نے جنابِ سیدہ کے دروازے پر آواز دی کہ

اے بنتِ رسول! میری لڑکی کی شادی ہے، اگر آپ تشریف لے چلیں، تو میری عزت بڑھ جائیگی۔'' آپ نے جواب دیا، ''جناب امیر علیہ السلام سے اجازت لے لوں، تو چلوں۔'' یہودی نے کہا میں رسول خدا اور شیر خدا کی خدمت میں گیا تھا، سب نے آپ ہی کو مختار کیا ہے۔'' جناب سیدہ یہ سن کر متفکر ہوئیں۔''

یہ مقام بھی کئی قسم کی بے ادبیوں اور پڑھنے والے موجودہ زمانے کے نام نہاد مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی کی کمزوری وناتوانی کی پکار پکار کر خبر دے رہا ہے۔ کیونکہ

(i) سیدہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) قرآنی احکام سے بخوبی واقف تھیں۔ لھذا آپ جانتی تھیں کہ یہودیوں سے بلا اجازتِ شرع میل جول اور دوستی، حرام وگناہِ کبیرہ قرار دی گئی ہے۔ اس مسلمہ حقیقت کے باوجود آپ کی جانب رضامندی کے اظہار کی نسبت ثابت کرتی ہے کہ مؤلفِ کتاب اپنی بدباطنی وخباثت کے باعث آپ کو ایک گناہِ کبیرہ کا مرتکب ثابت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ کیونکہ گناہ کا پختہ ارادہ بھی گناہ ہے۔

(ii) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والے غیر مردوں، بلکہ یہودیوں سے بھی بلا جھجک وبلا ضرورت کلام کیا کرتے تھے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ زہد وتقوی وشرم وحیاء کی پیکر خواتین مرد تو مرد، بلاضرورتِ شرعیہ عورتوں سے بھی میل جول میں شدید احتیاط فرماتی تھیں۔

اور پھر اگر کسی شرعی ضرورت کے سبب کسی مرد سے ہم کلام ہونے کی ضرورت پیش آتی بھی، تو لہجہ نرم نہیں، بلکہ سخت ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے،

''یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ۔ اے نبی کی بی بیو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر اللہ سے ڈرو، تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے۔'' (پ۲۲۔الاحزاب۔۳۳)

تفسیر خزائن العرفان میں ہے،

''اس میں تعلیم آداب ہے کہ اگر بضرورت غیر مرد سے پس پردہ گفتگو کرنی پڑے، تو قصد کرو کہ لہجے میں نزاکت نہ آنے پائے اور بات میں لوچ نہ ہو۔ بات نہایت سادگی سے کی جائے۔ عفتِ مآب خواتین کے لئے یہی شایاں ہے۔''

(iii) بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی جانب ایک غلط بات سن کر مجرمانہ خاموشی اختیار کرنے کی نسبت کی گئی ہے۔ کیونکہ یہودیوں سے بلاضرورتِ شرعیہ میل جول حرام ہے اور وہ یہودی اس حرام کام کی اجازت، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف منسوب کررہا تھا۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اس کے انکار کے بجائے معاذ اللہ (عزوجل) خاموش ہوکر اس بات کو مزید تقویت پہنچائیں کہ اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) اور شیر خدا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خلافِ شرع کام کی اجازت دے سکتے ہیں؟....

(6) کچھ آگے مذکور ہے،

''اتنے میں جنابِ رسول خدا خود تشریف لے آئے۔ جنابِ سیدہ نے فرمایا، بابا جان! یہودی کے یہاں سے آدمی آیا ہے، آپ کیا فرماتے ہیں، اس کے گھر جائیں یا نہ جائیں؟...آپ نے فرمایا، بیٹی تم کو اختیار ہے۔''

یہ عبارت بھی کم از کم ''2'' بے ادبیوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً

(i) مخبر صادق (ﷺ) کی جانب غلط بیانی کی نسبت کی گئی ہے۔ کیونکہ پہلے لکھا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے یہودی کو کہا کہ اس امر کے مالک علی ہیں۔'' اور یہاں لکھ دیا کہ ''بیٹی تم کو اختیار ہے۔''

(ii) یہاں بھی ایک حرام و گناہ کام کی نسبت رسول اللہ (ﷺ) کی جانب کرنے کا قبیح ترین ارتکاب کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہودیوں سے بدلائل قرآن، دوستی ومحبت ومیل جول ممنوع وحرام ہے اور رسول اللہ (ﷺ) اس کے لئے اجازت مرحمت فرما رہے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

(7) آگے مذکور ہے کہ

''جنابِ سیدہ نے عرض کیا، بابا جان! آپ کی سخت توہین ہوگی، کیونکہ ان کی عورتوں کے جسم پر عمدہ اور نفیس لباس وزیورات سے مزین ہوں گی اور میرے پاس وہی پھٹے پرانے کپڑے ہیں، جس میں جا بجا خرمے کے پیوند لگے ہیں۔'' رسول خدا نے فرمایا، ''بیٹی اسی حالت میں جاؤ، جو مرضیٔ معبود۔''

یہاں بھی واقعہ گھڑنے والے نے خوب جی بھر کر اللہ عزوجل کے سب سے

پیارے محبوب (ﷺ) کی شان میں گستاخی کرنے کی جرأت کی ہے۔ کیونکہ

(i) رسول اللہ (ﷺ) کی جانب منسوب جملے یعنی، ''بیٹی اسی حالت میں جاؤ، جیسے مرضیٔ معبود۔'' کا واضح مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ حبیبِ کبریا (ﷺ) ارشاد فرما رہے ہیں کہ ''بیٹی تمہارا اس حالت میں اللہ عزوجل کے نافرمانوں اور دشمنانِ اسلام کی شادی میں شرکت کرنا گوکہ میری سخت توہین کا سبب بنے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی ہے کہ چاہے میری سخت توہین ہو، اس شادی میں شرکت ضرور کی جائے۔''

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ ہماری نادان مسلمان بہنوں کو لڈو کے دھوکے میں زہر کھانے سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے کہ یہ بے چاریاں ان منحوس بے ادبی پر مشتمل باتوں کو باعثِ ثواب اور قابلِ احترام سمجھ کر ایک دوسرے کو سناتی ہیں، لیکن یہ نہیں سوچتیں کہ ہم کس برائی کا ارتکاب کر رہی ہیں۔

میری نادان مسلمان بہنو!

ذرا غور کرو اور خوب سوچ سمجھ کر جواب دو کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے حبیب (ﷺ) کی توہین پر راضی ہوگا؟''....

یقیناً نہیں، ہرگز نہیں، کیونکہ خود قرآن میں اس کی واضح دلیلیں موجود ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ اے ایمان

والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔'' (پ۱۔بقرہ۔۱۰۴)

اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے مولانا نعیم الدین مرادآبادی تفسیر خزائن العرفان میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''جب حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کرام کو کچھ تعلیم و تلقین فرماتے، تو وہ کبھی کبھی درمیان میں عرض کیا کرتے، ''رَاعِنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!'' اس کے معنی یہ تھے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! ہمارے حال کی رعایت فرمایئے یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھنے کا موقع دیجئے۔'' یہودیوں کی لغت میں یہ کلمہ سوءِ ادب (یعنی بے ادبی) کے معنی رکھتا تھا۔ انہوں نے اس نیت سے کہنا شروع کیا۔ حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہود کی اصطلاح سے واقف تھے۔ آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی زبان سے سن کر فرمایا، ''اے دشمنان خدا! تم پر اللہ کی لعنت، اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا، تو اس کی گردن ماردوں گا۔'' یہود نے کہا، ''ہم پر تو آپ برہم ہوتے ہیں، مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔'' اس پر آپ رنجیدہ ہوکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی، جس میں راعنا کہنے کی ممانعت فرمادی گئی اور اس معنی کا دوسرا لفظ ''اُنْظُرْنَا'' (یعنی ہم پر نظر کرم فرمایئے) کہنے کا حکم ہوا۔ مسئلہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء (علیہم السلام) کی تعظیم و توقیر اور ان کی جناب میں کلماتِ ادب عرض کرنا، فرض ہے اور جس کلمہ میں ترکِ ادب کا شائبہ بھی ہو، وہ زبان پر لانا ممنوع۔ مسئلہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) کی جناب میں بے ادبی کفر ہے۔''

محبت و تعظیم رسول (ﷺ) کے جذبات سے سرشار مسلمان بہنو! ذرا اس تفسیر کو دل کی نگاہوں سے دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے حبیب (ﷺ) کے لئے ایک ایسے کلمے کے استعمال کو بھی محبوب نہیں رکھتا کہ جس میں بے ادبی کا شبہ بھی ہو، تو پھر توہین حبیب (ﷺ) کس طرح گوارا فرمائے گا؟....

نیز حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے الفاظ پر غور کیجئے کہ "اے دشمنان خدا! تم پر اللہ کی لعنت۔" معلوم ہوا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے نزدیک یہودی خدا کے دشمن اور لعنت کے مستحق تھے۔

یقیناً اب آپ کے لئے یہ فیصلہ کرنا بالکل دشوار نہ ہوگا کہ اس کتاب کے لکھنے والے نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب (ﷺ) نے اپنی صاحبزادی کو ایسے لوگوں کی شادی میں شرکت کی اجازت دی کہ جو اللہ تعالیٰ کے دشمن اور لعنتی لوگ تھے، بلکہ اسے اللہ عزوجل کی مرضی قرار دیا۔".... اور اس کے ساتھ ہی اس کا بے ادبی اور شدید ترین گستاخی پر مشتمل ہونا بھی آپ پر مخفی نہ رہے گا۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی اس کتاب کو پڑھے تو؟....

اور اس پر بھی غور فرمایئے کہ کیا خرافات سے بھرپور تقریب اور دشمنان خدا اور رسول (عزوجل و ﷺ) کی محافل میں شریک ہونا، اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہو سکتا ہے؟"....

یقیناً یہاں بھی جواب انکار میں ہی ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،

"وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۔اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے، تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔'' (پ ۷۔ الانعام۔ ۶۸)

(8) آگے لکھا،

''چنانچہ جنابِ سیدہ جانے کو تیار ہو گئیں۔ اپنی ڈیوڑھی تک نہ پہنچی تھیں کہ حوران جنت آسمان سے نازل ہوئیں اور جنابِ سیدہ کو لباس فاخرہ پہنایا۔ کچھ حوریں دائیں اور بائیں اور کچھ پیچھے اور کچھ آگے روانہ ہوئیں۔''

یقیناً جنتی ساز و سامان کے ساتھ، ان حوروں کا نازل ہونا اپنی مرضی سے نہ تھا، بلکہ اللہ عزوجل کے حکم سے ہی ہوگا۔ لھذا معلوم ہوا کہ یہاں مؤلفِ کتاب نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ بے ادبوں، گستاخوں، فاسقوں اور دشمنانِ اسلام کی محفل میں شرکت کی اجازت، اس کے لئے اتنا زبردست اہتمام اور بنتِ رسول (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شرکت کے باعث یہودیوں کی عزت میں اضافہ ایسے امور ہیں کہ جن کو کوئی عام غیرت مند مسلمان بھی جائز و درستِ قرار نہیں دے سکتا، چہ جائیکہ انہیں اللہ عزوجل کی جانب منسوب کیا جائے اور جب کہ خود معبودِ حقیقی نے قرآن پاک میں جابجا مقامات پر اس کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے، تو اس پر راضی ہونا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟....''

(9) آگے مذکور ہے، جس کا خلاصہ ہے کہ

''جنابِ سیدہ شان و شوکت کے ساتھ یہودی کے مکان پر پہنچیں۔ یہ شان و وقار دیکھ کر تمام عورتیں بے ہوش ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد سب کو ہوش

آ گیا، لیکن دلہن کی روح پرواز کرگئی۔"

اس حصے کا من گھڑت اور جھوٹ پر مشتمل ہونا کسی پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ جتنا بھی شان ووقار ہو، نہ تو کسی کے بے ہوش ہونے کا سبب بن سکتا ہے، نہ ہی آج تک اس کے سبب کسی کی جان جانا واقع ہوا۔ اگر ایسا ہی ہوتا، تو ہمارے نبی کریم (ﷺ) سے زیادہ شان ووقار والا پوری کائنات میں کون ہے؟.... چنانچہ آپ کو دیکھ کر یقیناً کئی لوگوں کے جنازے اٹھنے چاہیئے تھے، لیکن پوری حیاتِ پاک میں ایسا کوئی واقعہ نہ ہوا۔ یونہی حضرت یوسف (علیہ السلام) کا حسن پاک مشہور ومعروف ہے، لیکن آپ کو دیکھ کر عدم توجہ کے باعث عورتوں نے زیادہ سے زیادہ اپنی انگلیاں کاٹ لی تھیں، کسی کی روح نے قفس عنصری سے پرواز کی سعادت حاصل نہ کی تھی۔

اور اگر بالفرض تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ شان ووقار واقعی کسی کی بے ہوشی یا موت کا سبب بنا تھا۔ تو سوال یہ ہے کہ عورتوں کے ہوش میں آجانے کے بعد بھی یہ وقار قائم رہا تھا یا نہیں؟... اگر نہیں، تو کیوں نہیں؟....

اور اگر جواب ہاں میں ہے، تو یہ وقار دوبارہ بے ہوشی.. یا.. موت کا سبب کیوں نہ بنا؟... کیا اس میں کوئی کمی آگئی تھی.. یا.. وہ عورتیں اس کی تجلی برداشت کرنے کے قابل ہوگئیں تھیں؟....

(10) آگے لکھتا ہے،

"آناً فاناً شادی کا مکان ماتم کدہ بن گیا۔ جناب سیدہ کو تشویش لاحق ہوئی۔ انہیں تسلی دی کہ ابھی ہوش آجاتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا

کر کہا، ''اے معبود میں بنتِ رسول ہوں، (پھر یہ شعر پڑھا)

صدیقہ نام رکھا ہے، تو نے بتول کا۔ جھوٹا نہ کی جیو مجھے صدقہ رسول کا

اس شعر میں اللہ تعالیٰ اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی جانب جھوٹ منسوب کیا گیا ہے، کیونکہ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا نام صدیقہ رکھا ہو۔ اور جو اللہ عزوجل کی جانب جھوٹ منسوب کرے، اللہ تعالیٰ نے اسے ظلم سے تعبیر فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے،

''وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِباً۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون، جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔'' (پ ۷۔ انعام۔ ۹۳)

معلوم ہوا کہ مؤلفِ کتاب نے بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والی ثابت کیا۔ اور ہماری نادان مسلمان بہنیں اس جھوٹ اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) پر الزام کو ثواب کی نیت سے بیان کرتی چلی جا رہی ہیں۔ افسوس صد افسوس..........

(11) آگے ذکر کیا کہ

''آپ کی دعا کی برکت سے یہودن کلمہ پڑھتی ہوئی ہوش میں آگئی اور گواہی دی کہ محمد برحق رسول ہیں اور آپ ان کی دختر ہیں۔ جناب فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا یہ اعجاز دیکھ کر پانچ سو یہودی مرد اور عورت مسلمان ہو گئے اور آپ کو سب نے نہایت عزت و حرمت کے ساتھ رخصت کیا۔''

یہاں بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی جانب بے حیائی کی صراحۃً نسبت کی گئی

ہے۔ ذرا ان الفاظ پر غور کریں کہ "جناب فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا یہ اعجاز دیکھ کر پانچ سو یہودی مرد اور عورت مسلمان ہو گئے اور آپ کو سب نے نہایت عزت وحرمت کے ساتھ رخصت کیا۔" معلوم ہوا کہ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے تشریف لے جانے سے لے کر دلہن کے ہوش آنے تک فاسق وفاجر اور دشمنانِ رسول (ﷺ) عورتیں ہی تماشائی نہ تھیں، بلکہ اس منظر کو یہودی مرد بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، بنتِ رسول (ﷺ) کے یہودی مردوں کے سامنے آنے کی اس عظیم تہمت کو کارنامہ سمجھ کر سنایا جارہا ہے؟....اس پر سبحان اللہ کہا جارہا ہے؟....اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ثواب کی امید رکھی جارہی ہے؟....

مسلمان بہنو! ذرا اپنے ایمان کی حفاظت کا شعور بیدار کرو۔ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تو وہ باحیاء خاتون ہیں کہ جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا، تو اسماء بنتِ عمیس (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے فرمایا،

"مجھے کھلے جنازے سخت ناپسند ہیں، کیونکہ ان میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔"

حضرت اسماء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے عرض کی، "جگر گوشۂ رسول (ﷺ)! میں نے حبشہ میں ایک طریقہ دیکھا ہے، آپ کہیں تو پیش کروں؟"...آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ اسماء بنتِ عمیس (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے خرمے کی چند شاخیں منگوائیں اور ان پر کپڑا تان دیا۔ جس سے پردے کی صورت پیدا ہوگئی۔ اسے دیکھ کر آپ بے حد خوش ہوئیں۔ پھر حسبِ وصیت آپ اور بی بی زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا

جنازہ بھی اسی طریقے سے اٹھایا گیا۔'' (اسد الغابۃ)

ذرا غور فرمایئے کہ جو عزت و ناموس کی حفاظت فرمانے والی باحیاء خاتون، بعدِ وفات بے پردگی سے بچنے کے لئے اتنا اہتمام فرما رہی ہے، کیا وہ اپنی زندگی میں سخت ترین پردے کا لحاظ نہ رکھتی ہونگی؟.....

مروی ہے کہ جب ایک مرتبہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آپ سے سوال کیا کہ اے فاطمہ! عورت کے حق میں سب سے بہتر کیا ہے؟''..تو آپ نے جواب دیا، ''کوئی نامحرم شخص اسے نہ دیکھے۔'' حبیبِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس جواب سے خوش ہو کر انہیں گلے سے لگالیا۔'' (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ۔ جلد دہم۔ صفحہ ۲۸)

لیکن افسوس کہ ہماری مسلمان بہنیں اجتماعی طور پر، بنیتِ ثواب ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ اس شرم و حیاء کی پیکر نے اپنی زندگی میں معاذ اللہ (عزوجل) خود کو یہودیوں کی نگاہوں کی زینت بنایا۔ اللہ تعالیٰ ہماری ایسی نادان بہنوں کو اپنے قہر و غضب سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ النبی الامین (صلی اللہ علیہ وسلم)

محترم مسلمان بہنو!

یہاں تک بیان کی گئیں باتیں اس سلسلۂ بے ادبی کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لھذا سعادت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے آئیندہ اس قسم کی کہانیاں سننے سے گریز فرمائیں اور سابقہ زندگی میں اس گناہ کے ارتکاب پر کامل توبہ بھی ضرور فرمایئے۔

اسی رسالے میں دوسرے واقعے سے قبل درج ہے، ''کہانی کا پہلا حصہ ختم

ہوا، معظمہ نے دوسرا حصہ شروع کیا، سنارن نہایت دلچسپی اور اعتقاد سے سنتی رہی۔"

اس خودساختہ کہانی کا خلاصہ اور اس پر ضروری تبصرہ حاضر خدمت ہے۔

کہانی:۔

ایک بادشاہ شکار کے لئے گیا۔اس کے ساتھ اس کی اور وزیر کی لڑکی بھی تھی۔راستے میں آندھی طوفان کی بناء پر دونوں لڑکیاں اڑ کر پہاڑ پر جا گریں۔بعدِ طوفان سب لوگ جمع ہوکر واپس آ گئے، لیکن دونوں لڑکیاں وہیں رہ گئیں۔یہ لڑکیاں غم کی بناء پر رونے لگیں حتی کہ بے ہوش ہوگئیں۔خواب میں ایک نقاب پوش معظمہ خاتون نے مشورہ دیا کہ تم منت مان لو کہ جب اپنے والدین سے ملیں گے، تو جنابِ سیدہ کی کہانی سنیں گے۔'' ان لڑکیوں نے عالم غشی میں منت مان لی۔

تبصرہ:۔

اس حصے میں بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کی جانب ایک گناہِ کبیرہ کی نسبت کی گئی ہے۔کیونکہ جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ یہ نقاب پوش خاتون خود جنابِ سیدہ فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنہا) ہیں اور یہ لڑکیوں کو مشورہ دے رہی ہیں کہ تم جنابِ سیدہ کی کہانی سننے کی منت مان لو۔اور اس کہانی سے مراد وہی یہودیوں کی شادی میں شرکت والا واقعہ ہے اور ثابت ہو چکا کہ وہ واقعہ من گھڑت اور خلافِ شرع امور سے بھرا پڑا ہے، جس کا پڑھنا، سننا اور سنانا سب حرام ہے۔اس طرح ثابت ہوا کہ مؤلفِ واقعہ نے بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کو ایک حرام کام کرنے کا مشورہ دیتے ظاہر کیا ہے۔اور جس عبارت میں اکابرین کی جانب کسی گناہ وحرام کام کو منسوب کیا ہو، معلوم ہو جانے کے بعد بھی اسے سننا سنانا کم از کم کسی زندہ دل صاحبِ ایمان سے ہرگز متوقع نہیں۔

کہانی:۔

پھر کسی دوسرے ملک کا بادشاہ انہیں پہاڑوں کے پاس شکار کے لئے آیا اور کسی طرح ان لڑکیوں پر مطلع ہوا اور ان سے ان کے حسب نسب کے بارے میں پوچھا، انہوں نے بتادیا، پھر اس نے درخواست کی کہ اے لڑکیو! اگر مناسب سمجھو تو میرے ساتھ چلو۔ لڑکیاں راضی ہوگئیں۔

تبصرہ:۔

اولاً تو ایک عاقل و سمجھدار مسلمان بادشاہ سے اس بات کی ہرگز توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ قدرت رکھنے کے باوجود، جوان لڑکیوں کو ان کے گھر پہنچانے کے بجائے اپنے ساتھ جانے کی خلافِ شرع پیشکش کرے۔

اور بالفرض اگر تسلیم بھی کرلیا جائے، تو جوان اور خصوصاً شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کا اپنے گھر والوں سے بچھڑنے کی صورت میں ایک غیر واجنبی مرد کے ساتھ کسی دوسرے مقام پر جانے کے لئے راضی ہوجانا اور پھر برضا و رغبت چلا بھی جانا، تقریباً ناممکنات میں سے ہے۔ شائد واقعہ گھڑنے والے کے خاندان کی عورتوں میں یہ عادت پائی جاتی ہوگی۔

کہانی:۔

وہ انہیں اپنے ساتھ اپنے ملک لے گیا۔ پھر ان لڑکیوں کے والدین کو معلوم ہوگیا کہ لڑکیاں اس کے پاس ہیں، چنانچہ انہوں نے واپسی کے لئے پیغام بھیجا۔ اس دوسرے بادشاہ نے پیشکش کی کہ اپنی لڑکی کی شادی میرے بیٹے اور وزیر کی لڑکی کی

میرے وزیر کے بیٹے سے کردی جائے۔راضی ہوجانے کے بعد شادی سرانجام پاگئی۔

تبصرہ:۔

اس سے ثابت ہوا کہ شادی سے قبل دوسرا بادشاہ، پہلے والے بادشاہ کے بارے میں اچھی طرح جان چکا تھا۔یقیناً جب عام شخص اپنے بیٹے بیٹی کی شادی کرنا چاہے،تو نکاح سے قبل فریق ثانی کے بارے میں ہر طرح کا اطمئنان حاصل کرتا ہے،تب ہی جاکر رضامندی کا اظہار کیا جاتا ہے۔جب عام انسانوں کا یہ طریقہ ہے،تو اس بادشاہ نے تو بدرجہ اولیٰ تحقیق کروائی ہوگی۔کیونکہ اسی رشتے پر اس کی اگلی نسلوں کا دارومدار تھا۔

یہ تفصیل پیش نظر رہے کہ آگے تک بندی کی نشاندہی کے لئے اس کا ذہن میں رہنا ضروری ہے۔

کہانی:۔

اسی گہما گہمی میں لڑکیاں جنابِ سیدہ کی کہانی سنانا بھول گئیں۔جب دونوں سسرال کی جانب روانہ ہوئیں،تو معلوم ہوا کہ ایک لوٹا جو جہیز میں ملا تھا،وہ وہیں رہ گیا ہے۔راستے میں شام ہوگئی،آخر ان لوگوں نے قیام کیا اور لوٹا تلاش کیا،مگر نہ ملا۔معلوم ہوا کہ لوٹا گھر پر ہی رہ گیا ہے۔وزیر نے ایک سپاہی کو روانہ کیا کہ لوٹا لے آؤ۔

تبصرہ:۔

لگتا ہے اس مقام پر واقعہ گھڑنے والے کی عقل حقیقۃً گھاس چرنے کے لئے روانہ ہوگئی تھی۔ ذرا غور فرمائیں کہ کیا کہیں ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک بادشاہ زادی کی بارات واپس جارہی ہو اور پورا لشکر لوٹے کے غم میں مبتلاء ہوکر سفر ترک کردے، حتی کہ وزیر صاحب، لوٹے کی جدائی کے صدمے سے دلبرداشتہ ہوکر ایک سپاہی کو اس کی تلاش کے لئے روانہ کرنے پر مجبور ہوجائیں؟....

فرض کیجئے آپ نے اپنے بیٹے کی شادی، کسی دوسرے شہر میں کی۔ واپسی میں جب بارات سفر طے کرتی درمیان میں پہنچی، تو آپ کو معلوم ہوا کہ جہیز میں دیا گیا ایک عدد لوٹا غائب ہے، تو کیا آپ کسی اسٹیشن پر رک کر لوٹا تلاش کرنا شروع کردیں گے؟....اور جب باوجود کوشش کے لوٹا نہ ملے، تو کیا اپنے گھر والوں میں سے کسی کو خصوصی طور پر لوٹا لانے کے لئے میکے بھیجا جائے گا؟....

حیرت ہے کہ ہماری مسلمان بہنیں ان چیزوں کو مردوں سے بہتر سمجھ سکتی ہیں، لیکن اس کے باوجود ایک شخص من گھڑت قصوں کے ذریعے انہیں بیوقوف بنارہا ہے اور یہ آنکھیں بند کرکے اپنے ناقص العقل ہونے کا ثبوت دئے چلی جارہی ہیں۔

کہانی:۔

سپاہی گیا، تو دیکھتا کیا ہے کہ جہاں محل تھا، وہاں میدان ہے، نہ تخت نہ تاج، نہ بادشاہ ہے، نہ فوج، صرف میدان میں لوٹا رکھا ہے۔ چاہا کہ لوٹا اٹھالے، جیسے ہی ہاتھ بڑھایا، یکایک اس لوٹے میں سے سانپ نے پھن نکالا۔ اس نے کافی کوشش کی کہ لوٹا حاصل کرلے، لیکن ممکن نہ ہوا۔

تبصرہ:۔

یہ سب جھوٹ و بکواس پر مشتمل ہے۔اس قسم کی باتیں بچوں کی کہانیوں میں تک تو مناسب نظر آتی ہیں، جب کہ اصلاح کی نیت سے ہوں، لیکن ان کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔اپنے اکابرین اور خصوصاً شہزادیٔ رحمتِ کونین (ﷺ) کی جانب ایسی بے سروپا باتیں منسوب کر دینا، سخت ممنوع و بے ادبی ہے اور ان کا ایک دوسرے کو سننا سنانا شدید ناجائز۔

کہانی:۔

مجبوراً اپنے بادشاہ کے پاس آ کر سارا ماجرا بیان کیا۔بادشاہ یہ سن کر حیران ہوا۔دلہنوں کے پاس آیا اور ماجرا پوچھا اور بولا لگتا ہے تم جادوگر کی لڑکیاں ہو۔یہاں تک آنے میں یہ گل کھلائے، گھر تک جاتے میں کیا کرو گی۔اس وقت تم کو قید کرتا ہوں ،صبح قتل کر دوں گا۔یہ کہہ کر خیمے میں چلا گیا۔

تبصرہ:۔

سبحان اللہ! نہ صفائی کا موقع دیا، نہ ہی یہ یاد رہا کہ ان میں سے ایک بادشاہ کی اور دوسری وزیر کی بیٹی ہے، جن کے بارے میں پہلے ہی تحقیق کی جا چکی ہے۔

ایک سپاہی کی بات پر اتنا کامل یقین کہ سسر صاحب نے فوراً بہو کے قتل کی ٹھان لی۔یعنی سپاہی کی بات کی حقیقت جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ جھوٹ کہہ رہا ہے یا سچ اور جس کی حقیقت جان چکے تھے، اسے فراموش کر دیا۔

پھر ہر بادشاہ کے کچھ نہ کچھ مشاور (مشورہ دینے والے) ضرور ہوتے ہیں، جن

سے اچانک آجانے والی افتادودیگر ضروری امور میں مشورہ لیا جاتا ہے۔لیکن اس سمجھ دار بادشاہ نے نہ کسی سے مشورہ لیا، نہ آئیندہ کے بارے میں سوچا کہ اگر سپاہی نے جھوٹ بولا ہو، تو دوسرے بادشاہ سے تعلقات کس قدر متاثر ہو سکتے ہیں۔

لیکن یہ سب کیسے ہوتا، جب کہ اس رسالے کے مؤلف نے پختہ ارادہ کر رکھا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کے خاندان کی ایک پاکیزہ فطرت خاتون کا ظالمانہ تصور ضرور قائم کر کے رہے گا۔

کہانی:۔

یہ سن کر لڑکیاں رونے لگیں حتی کہ بے ہوش ہوگئیں۔عالم غشی میں اسی نقاب پوش معظمہ کو دیکھا، انہوں نے کہا، ''تم نے پہاڑ پر منت مانی تھی، لیکن پھر کہانی نہیں سنی ،اسی بدعہدی کی سزا میں یہ عذاب نازل ہوا ہے، اب تم اسی قید خانے میں کہانی سنو۔''

تبصرہ:۔

واہ! کہانی نہ سنی، تو فوراً عذاب نازل ہوگیا۔نماز، روزہ، حج ،زکوۃ وغیرھا کے ترک اور دیگر بے شمار کبیرہ گناہوں پر ،تو عذاب نازل نہ ہو، درگزر فرمایا جاتا رہے، لیکن کہانی نہ سنانے کا جرم اتنا بڑا ہے کہ اللہ عزوجل نے فوراً کھال کھینچنے کا ارادہ فرمایا۔

اس پہلو پر بھی غور کریں کہ یہ منت اللہ کے لئے نہیں ، بلکہ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لئے مانی گئی تھی، چنانچہ اس کے پورے نہ کرنے پر عذاب کا نزول ،اللہ تعالیٰ کی نہیں ، بلکہ بنتِ رسول (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی ناراضگی کے سبب ماننا پڑے

گا۔ جب یہ مان لیں گے، تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ رحمت للعلمین (ﷺ) کی صاحبزادی نے فقط اپنے فضائل نہ سنانے کی بناء پر کسی کو مصیبت میں گرفتار کروا دیا۔ اور اسے وہی درست تسلیم کرے گا کہ جس کے دل میں آل رسول (ﷺ) کے خلاف بغض بھرا ہوا ہو.. یا.. دعویٰ عقیدت کے ساتھ ساتھ شدید جہالت میں مبتلاء ہو۔

نیز اگر بادشاہ کے قتل کی دھمکی کا ڈرامہ، حقیقت بھی ہوتا اور واقعی وہ خاتون، خاتون جنت ہوتیں، تب بھی خاندان رسالت (ﷺ) کی چشم و چراغ اور براہ راست حبیبِ کبریا (ﷺ) کی تربیت یافتہ صاحبزادی، ہرگز قرآنی تعلیمات سے ہٹ کر مشورہ عنایت نہ فرماتیں۔ چنانچہ ان کی زبان پر ذکر کہانی نہیں، بلکہ درج ذیل مضمون پر مشتمل کوئی آیتِ کریمہ جاری نظر آتی، "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ یعنی اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو، بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔"

(پ۲۔ بقرہ۔ ۱۵۳)

یا یہ آیتِ پاک، "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ☆ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ☆ اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۙ وَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے

، کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے، تو کہیں کہ ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔'' (پ۲۔بقرہ۔۱۵۵۔۱۵۶۔۱۵۷)

لیکن جیسا کہ پہلے خدشہ ظاہر کیا گیا کہ اس کتاب کے مؤلف کا مقصد خاندان رسالت (علیہم السلام) کی محبت عام کرنا نہیں ، بلکہ انہیں قرآنی تعلیمات سے دور اور اپنے فضائل ومناقب سننے کا عادی ثابت کرنا معلوم ہوتا ہے۔اس کے مذموم ارادے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ وہ ان ،کابرین کا نام روشن نہیں، بلکہ بدنام کرنا چاہتا ہے۔اور بدقسمتی سے ہماری مسلمان بہنیں ایسے مکروہ ذہن رکھنے والے شخص کے ناپاک ارادوں کو پورا کرنے کے سلسلے میں مکمل طور پر ساتھ دینے کے لئے ہمہ وقت تیار نظر آتی ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں عقل سلیم عطا فرمائے۔آمین

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ منت دو طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) شَرَعِی۔(۲) عُرفی۔

(۱) شَرَعِی:۔

وہ منت جس کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے، اگر پوری نہ کی، تو منت ماننے والا گناہ گار اور اگر توبہ کئے بغیر مرا، تو ناراضگی رب کی صورت میں آخرت میں حساب وکتاب بھی ہوگا۔اس میں اللہ کے لئے کسی عبادت کو اپنے اوپر لازم کیا جاتا ہے۔یہ کبھی کسی کام کے ساتھ مشروط کی جاتی ہے، مثلاً یوں کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا، تو میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایک روزہ رکھوں گا..اور..کبھی مطلقاً مانی جاتی ہے، مثلاً

بغیر کسی غرض کے یوں کہا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک ماہ کا اعتکاف ہے۔

(۲) عُرفی:۔

وہ منت جس کا پورا کرنا مباح..اور..حسنِ نیت وافعال محمودہ کے ساتھ اور ممنوعاتِ شرعیہ کے بغیر ہو،تو مستحب ہے۔چنانچہ مباح ہونے کی صورت میں اس کا پورا کرنا،نہ کرنا برابر ہے،یعنی نہ گناہ نہ ثواب...اور... مستحب ہو،تو اب پورا کرنا باعثِ ثواب اور نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں،نہ آخرت پر کسی قسم کا کوئی مؤاخذہ ہوگا۔اس میں عبادت تو اللہ کی رضا کے لئے ہی اختیار کی جاتی ہے،لیکن اکثر مقصود کسی نبی یا ولی کو وسیلہ بنا کر آفت ومصیبت سے نجات..یا..کسی نعمت کا حصول ہوتا ہے۔

غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ اگر ان لڑکیوں کا منت ماننا حقیقت تسلیم کر بھی لیا جائے ،تو یہ منت عرفی ہوگی ،نہ کہ شرعی۔اور منتِ عرفی میں کسی قسم کا عذاب یا مؤاخذہ نہیں۔چنانچہ یہاں ذکر عذاب فقط جہالت..یا..باطنی شیطان پن کا نتیجہ ہے۔

نیز یہ منت،عالم غشی میں مانی گئی تھی۔یہ وہ حالت ہے کہ جس میں شریعت ، مسلمان کو بے شمار احکام پر عمل میں رخصت عطا فرما دیتی ہے۔چنانچہ اگر یہ منت،شرعی ہوتی،تب بھی حالتِ غشی میں مانی جانے کی بناء پر اس کا پورا کرنا لازم نہ ہوتا،چہ جائیکہ منتِ عرفی کہ جس کا پورا کرنا عالم ہوش میں بھی ضروری نہ تھا اور پھر اس پر عذاب نازل ہونے کا ذکر؟...اس سے بھی مؤلف کے مقاصدِ قبیحہ کی جانب واضح اشارہ ملتا ہے۔

کہانی:۔

لڑکیوں نے کہا،''قید خانے میں پیسے کہاں؟''..فرمایا،''تمہارے آنچل

میں دو درہم بندھے ہیں۔'' ہوش میں آنے پر لڑکیوں نے دیکھا کہ واقعی آنچل میں دو درہم بندھے ہیں۔ انہوں نے کسی تدبیر سے شیرینی منگوائی اور ایک نے کہانی کہی ، دوسری نے سنی۔

تبصرہ:۔

وہ دونوں شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی لڑکیاں تھیں، نہ کہ کسی کے گھر کام کرنے والی ماسیاں کہ اپنے آنچل میں پیسے باندھ کر رکھتیں۔ بادشاہوں کے ہاں ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا۔ وہ ہیرے جواہرات میں کھیلنے کے عادی ہوتے ہیں، نہ کہ برے وقت کے لئے ایک ایک یا دو دو درہم بچا کر رکھنے والے۔

شیرینی منگوانے کا ڈرامہ بھی خوب لکھا گیا ہے، جسے سن کر کوئی پاگل ہی یقین کرسکتا ہے۔ دوران سفر اور اطراف میں چلنے والے سب دوسرے بادشاہ کے غلام ونوکر و سپاہی، لیکن پھر بھی شیرینی دستیاب ہو ہی گئی۔ شائد کسی نے جنگل میں مٹھائی کی دکان کھول لی ہوگی۔

نیز کہانی کی منت پوری کرنے کے لئے مٹھائی کی موجودگی کیوں ضروری ہے؟.....

کہانی:۔

صبح بادشاہ نے ان کے قتل حکم دیا۔ انہوں نے اپنا گھر دوبارہ دکھوانے کی درخواست کی۔ بادشاہ نے ایک سپاہی بھیجا، تو دیکھا کہ سب کچھ موجود ہے۔ ماجرا پوچھا تو ان لڑکیوں نے سب کچھ بتا دیا۔ پھر بادشاہ نے انہیں رہا کر دیا۔

تبصرہ:۔

انہیں جادوگر کی لڑکیاں تصور کرنے اور قتل کا حکم دینے کے بعد پھر بادشاہ کا ان ہی کی بات پر اعتماد کر کے سپاہی کو بھیجنا حقیقت سے بے حد بعید اور یقیناً ہر اہل فہم کے فہم سے بے حد قریب ہے۔

کہانی:۔

یہ کہانی سنارن سے کہہ کر جناب سیدہ روپوش ہوگئیں۔ جب سنارن واپس آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ جن جن لوگوں نے کہانی سننے سنانے سے انکار کیا تھا اور فضول سمجھا تھا، ان کے گھروں میں آگ لگ گئی تھی۔

تبصرہ:۔

یہ بالکل بکواس اور اللہ عزوجل کی جانب خفیہ طریقے سے ظلم کی نسبت کی مکروہ ترین کوشش کا عملی نمونہ ہے۔ کیونکہ جنابِ سیدہ کی کہانی سننے، سنانے سے انکار کرنا نہ کوئی بے ادبی تھا، نہ ہی کسی قسم کا گناہ، بلکہ بتوفیق الٰہی (عزوجل) اس کا خرافات وکثیر حرام امور پر مشتمل ہونا، ماقبل میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا، جس سے ثابت ہوا کہ اس کہانی کا سنانا حرام اور نہ سنانا بالکل جائز ودرست فعل تھا، لھذا انکار کرنے والے تعریف وثناء کے مستحق تھے، نہ کہ قابل مذمت۔ اور اللہ تعالیٰ کسی جائز کام کے ارتکاب پر عذاب نازل نہیں فرماتا۔ چنانچہ اگر خلافِ عقل وشرع ایسا تسلیم کر لیا جائے، تو معاذ اللہ (عزوجل) اسکا ظالم ہونا لازم آئے گا اور اللہ عزوجل کی جانب نسبتِ ظلم حرام وکفر ہے۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے، ''اِنَّ اللّٰہَ لَایَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ۔ اللہ ایک ذرہ بھر (بھی) ظلم نہیں فرماتا۔'' (پ ۵۔ نساء۔۴۰)

آخر میں ایک دعا ذکر کی گئی، جس کا عنوان ہے، ''زیارتِ جناب سیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)''۔ اس میں اعرابی اغلاط کی کثرت تو ہے ہی، لیکن یہاں چند ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کہ جن کی بناء پر واضح ہو جاتا ہے کہ اس کتابچے کو وضع کرنے والا شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ نیز عاشق اکبر، خلیفۂ رسول برحق حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو معاذ اللہ بنتِ رسول (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا حق غصب کرنے والا اور ظالم تصور کرتا ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔

''السلام علیک ایتھا المظلومۃ الممنوعۃ حقھا۔ یعنی اے وہ خاتون کہ جس پر ظلم کیا گیا، جس کا حق روک لیا گیا، تجھ پر سلامتی نازل ہو۔''

ان الفاظ میں ''مسئلۂ فَدَک'' کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ معجم البلدان (جلد ۴، صفحہ ۲۳۸۔۲۴۰) میں ہے کہ فدک، حجاز کی ایک بستی کا نام ہے، جو مدینہ منورہ سے دو یا تین دن کی مسافت پر واقع تھی۔ فدک کے علاقے میں بکثرت کھجوروں کے درخت اور بہتے ہوئے چشمے تھے۔

جب حبیبِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خیبر پر حملہ فرمایا، تو تین قلعوں کے علاوہ بقیہ تمام قلعوں کو فتح فرمالیا۔ جب محاصرہ سخت ہوا، تو ان قلعے والوں نے درخواست پیش کی کہ اگر آپ ہمیں یہاں سے جلاوطن ہونے دیں، تو ہم قلعوں کے دروازے کھول دیں گے۔''.... آپ نے ان کی درخواست قبول فرمالی۔ جب اہل فدک کو اس

کی اطلاع ملی تو انہوں نے بھی پیغام بھیجا کہ وہ فدک کے کھجوروں اور اموال کا نصف دے کر صلح پر تیار ہیں۔سیدالانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس پیشکش کو قبول فرمالیا، چنانچہ یہ اموال بطورِ فـئے حاصل ہو گئے۔فـئے اس مال غنیمت کو کہا جاتا ہے کہ جس کو دشمن سے حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں نے کوئی مشقت نہ اٹھائی ہو۔یہ تمام مال حبیبِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیرانتظام رہتا تھا۔جسے آپ بحکم الہی اپنی ضروریات، اپنے اقرباء، فقراء، مساکین، مسافروں اور عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ''مَـا اَفَـاءَ الـلّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُـرٰى فَـلِلّٰـهِ وَلِلـرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُـرْبٰى وَالْيَـتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔جو غنیمت (یعنی مال فئی) دلوائی اللہ نے اپنے رسول کو شہر والوں سے۔وہ اللہ اور رسول کی ہے اور (رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے) رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔'' (پ ۲۸۔حشر۔۷)

جب سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وصال ظاہری ہوا اور باتفاقِ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)، سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خلیفہ نامزد ہوئے، تو بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے فدک کو اپنے باباجان (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ترکہ قرار دیتے ہوئے بطور وراثت اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔جواب میں حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ارشاد فرمایا، ''اِنَّ رَسُوْلَ الـلّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ۔یعنی بے شک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا، ہمارا تمام ترکہ صدقہ

ہے۔''......نیز فرمایا،''لَسْتُ تَارِکاً شَیْئًا کَانَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَعْمَلُ بِہٖ اِلَّا عَمِلْتُ بِہٖ اِنِّیْ اَخْشٰی اَنْ تَرَکْتُ شَیْئًا مِّنْ اَمْرِہٖ اَنْ اَزِیْغَ۔یعنی میں رسول اللہ (ﷺ) کے کیے ہوئے کاموں میں سے کسی کو ترک نہ کروں گا۔ بے شک مجھے خدشہ ہے کہ اگر میں نے رسول اللہ (ﷺ) کے کیے ہوئے کاموں میں سے کسی کام کو ترک کیا، تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔''[1]

اس پر بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنہا) بتقاضائے بشریت ناراض ہو گئیں۔لیکن یہ ناراضگی اس سبب سے نہ تھی کہ آپ نے اس حدیث کو معاذ اللہ غلط سمجھا، بلکہ اس گمان کی وجہ سے تھی کہ علاقہ فدک اس حدیث سے مستثنیٰ ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ناراضگی تاحیات رہی۔چنانچہ امام بخاری (رحمہ اللہ الباری) سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالی عنہا) سے روایت فرماتے ہیں کہ''رسول اللہ (ﷺ) کی صاحبزادی غضبناک ہوئیں اور ابوبکر (رضی اللہ تعالی عنہ) سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور تادم مرگ ان سے نہ ملیں۔''(جلد ا۔صفحہ ۴۳۵)

لیکن صحیح یہ ہے کہ مذکورہ سبب کی بناء پر آپ کی ناراضگی وقتی طور پر تھی۔بعد میں چونکہ آپ بیمار ہو کر گوشہ نشین ہو گئیں تھیں،لھذا رواۃ نے یہ سمجھ لیا کہ آپ نے ناراضگی کی بناء پر ایسا طرزِ عمل اختیار فرمایا۔اس پر دلیل امام بیھقی کی روایت کردہ یہ حدیثِ پاک ہے۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنہا) بیمار ہوئیں ،تو ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالی عنہ) نے ان سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔حضرت

---

[1]۔صحیح مسلم۔باب حکم الفیء

علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اس کی اطلاع دی۔ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے دریافت کیا کہ "کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں ان کو اجازت دوں؟"..... حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے رضامندی کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے آکر فرمایا؛ "بخدا میرے ترکے سے میرا مکان، میرا مال، میرے اہل اور میرے رشتہ دار اور جو کچھ بھی ہے، وہ سب اللہ (عزوجل)، اس کے رسول (ﷺ) اور اے اہل بیت (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آپ کی رضا کے لئے ہے۔" پھر آپ نے بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو راضی کیا، حتیٰ کہ وہ راضی ہو گئیں۔" (سنن کبریٰ۔ جلد دوم۔ صفحہ ۳۰۱)

اسی مسئلہ فدک کی بناء پر شیعہ، سیدنا ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو مظلومہ قرار دیتے ہیں، جس کا لازماً یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے معاذ اللہ آپ پر ظلم کیا تھا۔ نیز ان کا دعویٰ ہے کہ یہ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا حق تھا جسے روک لیا گیا۔ اس طرح خلیفہ رسول (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو معاذ اللہ حق غصب کرنے والا ثابت کرنے کی مکروہ کوشش بھی کی جاتی ہے۔

ویسے تو سابقہ تفصیل سے ہی واضح ہو چکا ہے کہ علاقہ فدک کو بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے حوالے نہ کرنا اپنی ذات یا کسی غرض فاسد کی بناء پر نہ تھا، بلکہ بحکم سرکار (ﷺ) عمل کیا گیا تھا اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی اس سے راضی ہو گئیں تھیں۔ لیکن وسوسہ شیطانی کی مکمل کاٹ کے لئے چند امور پر توجہ بہت بہتر رہے گی۔

(i) حضرت سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی جانب سے بحکم سرکار

(صلی اللہ علیہ وسلم) وراثت سے انکار کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ نے اہل بیت کو بالکلیہ محروم فرما دیا تھا، بلکہ آپ اس علاقہ کی آمدنی میں سے اہل بیت کو ان کی ضروریات کے مطابق حصہ عنایت فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ خود شیعہ عالم کمال الدین میثم لکھتا ہے،

''ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فدک کی آمدنی وصول کرتے اور اس میں سے اہل بیت کو ان کی ضروریات کے مطابق دیتے، بعد میں خلفاء نے بھی ایسا ہی کیا۔''

(شرح نہج البلاغہ۔ جلد ۵۔ صفحہ ۱۰۷)

(ii) حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی حضرت ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی بیان کردہ حدیثِ پاک کو اچھی طرح جانتے تھے۔ چنانچہ

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حضرت عباس اور حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے ارشاد فرمایا، ' اَنْشُدُ کُمَا بِاللّٰهِ الَّذِیْ بِاِذْنِهٖ تَقُوْمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ اَتَعْلَمَانِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ قَالَا نَعَمْ ۔ یعنی میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں کہ جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں کہ کیا تم دونوں یہ جانتے ہو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تھا کہ ''ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے، وہ صدقہ ہے۔'' ان دونوں نے جواب دیا، ''ہاں۔'' (باب حکم الفیء)

یہی وجہ تھی کہ حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خلیفہ مقرر ہوئے اور تقریباً پانچ سال تک امورِ خلافت سرانجام دیتے رہے، لیکن اس عرصے کے دوران، تمام تر اختیارات رکھنے کے باوجود آپ نے یہ علاقہ آل فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے

حوالے نہ فرمایا۔اب اگر اس علاقے پر واقعی بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کا حق تھا اور اسے حوالے نہ کرنا ہی ظلم اور غصب تھا، تو بتائیے کہ حضرت علی (رضی اللہ تعالی عنہ) کے بارے میں کیا حکم لگایا جائے گا؟.....

(iii) اگر سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ تعالی عنہ) فقط بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کے ساتھ ہی یہ رویہ اختیار کرتے، تو شائد وسوسہ شیطانی کے لئے کوئی گنجائش نکل سکتی تھی۔لیکن آپ نے بحکم حدیث یہی طرزِ عمل، ازواجِ رسول (ﷺ) کے ساتھ بھی روا رکھا تھا۔اور یقیناً قارئین جانتے ہیں کہ سیدہ عائشہ (رضی اللہ تعالی عنہا) آپ کی صاحبزادی اور رسول اللہ (ﷺ) کی سب سے محبوب زوجہ تھیں۔ چنانچہ ان نفوسِ قدسیہ (رضی اللہ تعالی عنہم) کو بھی بطورِ وارثت کچھ عطا نہ کرنا، حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالی عنہ) کی ایمان داری کی واضح دلیل ہے۔

صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ (رضی اللہ تعالی عنہا) سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ (ﷺ) وفات پا گئے، تو آپ کی ازواج نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت عثمان (رضی اللہ تعالی عنہ) کو حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالی عنہ) کے پاس بھیج کر رسول اللہ (ﷺ) کی میراث میں سے حصہ طلب کیا جائے۔تو میں نے ان سے کہا کہ یہ سوال جائز نہیں، کیا رسول اللہ (ﷺ) نے یہ نہیں فرمایا کہ ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے، وہ صدقہ ہے۔'' (باب حکم الفیء)

اس رسالے کو پڑھنے والی میری محترم لیکن نادان بہنو!

ذرا غور کرو کہ ایک شخص حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالی عنہ) کو معاذ اللہ ظالم

وغاصب قرار دے رہا ہے اور آپ اسی کا مرتب کردہ رسالہ اس امید پر پڑھ رہی ہیں، بلکہ دوسروں کو جمع کر کے سنا رہی ہیں کہ ہمیں اس سے برکت حاصل ہوگی؟.... جس دعا میں خلیفہ رسول، یارِ غار (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر غلط الزامات لگائے جا رہے ہیں، آپ اسے اس لئے پڑھ رہی ہیں کہ ہمیں بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی زیارت ہو جائے گی؟... لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

یقیناً آپ کی غیرتِ ایمانی اسی بات کا تقاضا کرے گی کہ اس رسالے کو بابرکت نہیں، بلکہ برکت لے جانے والا قرار دیا جائے۔ نیز سابقہ زندگی میں جتنی مرتبہ اس کو پڑھنے کا گناہ سرزد ہوا، اس پر کامل توبہ بھی واجب ہے۔ نیز آپ پر لازم ہے کہ جتنا ممکن ہو سکے، علم نہ رکھنے والی مسلمان بہنوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کی دیانت دارانہ کوشش تاحیات جاری رکھیں۔

راقم کی گھروں کے سرپرست مردوں کی خدمت میں خصوصی درخواست ہے کہ اپنے گھر کی برکت اور گھر والوں کے ایمان کی سلامتی کی خاطر اس رسالے کا پڑھنا، پڑھانا سختی سے روکیں، ورنہ بروزِ قیامت آپ کی بھی سخت گرفت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۔ یعنی اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ، جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔'' (پ۲۸۔ تحریم۔۶)

☆/☆/☆/☆/☆/☆/☆/☆/

دوسرا رسالہ بنام ''دس بیبیوں کی کہانی'' بھی موضوع و من گھڑت باتوں کا پلندہ ثابت ہوا۔ چونکہ اس رسالے میں طوالت زیادہ ہے، لھذا پورا نقل کرنے کے بجائے فقط اغلاط پر مشتمل باتوں کی نشاندہی کی جائے گی۔ چنانچہ

(i) اس کے شروع میں ہی لکھا ہے، ''**الحمدللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی خیر المرسلین والہ الطیبین الطاھرین المعصومین۔**

تبصرہ:۔

یہاں آل رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو معصومین لکھا ہے۔ یہ عقائد اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک صرف انبیاء و ملائکہ ہی معصوم ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی معصوم نہیں۔ ہاں اولیاء عظام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بعطائے الٰہی (عزوجل) محفوظ ہو سکتے ہیں۔

(ii) اس کہانی میں ایک عورت کو نیک قرار دیا گیا ہے۔ اس کا شوہر تلاش معاش کے سلسلے میں باہر گیا تو اس نے دل میں کہا، ''اے پالنے والے! تو ہی رزاق ہے، اب تو میرا شوہر بھی چلا گیا، اب مجھ کو کون کھانے کو دے گا۔''

تبصرہ:۔

کلام میں تضاد بیانی بالکل واضح ہے۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کو رازق تسلیم کرنا، دوسری طرف یہ خدشہ کہ مجھے کون کھلائے گا۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو رازق تسلیم

کرنا قلبی اعتقاد کے ساتھ ہرگز نہ تھا، ورنہ کھانے کے بارے میں خدشات تنگ نہ کرتے۔ اور اس قسم کے خدشے صرف اسی کو لاحق ہوتے ہیں کہ جسے اللہ عزوجل پر کامل بھروسہ نہ ہو اور وہ فقط اسبابِ ظاہری پر ہی نگاہ رکھتا ہو۔ اور جو ان صفات سے متصف ہو، اسے نیک کہنا نیکوں کی توہین ہے۔ معلوم ہوا کہ ایسی عورت کو نیک قرار دینا بالکل درست نہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مؤلفِ کتاب یا تو جاہل ہے کہ اسے نیک کے معنی ہی معلوم نہیں.. اور یا.. پھر ہماری مسلمان بہنوں کو توکل سے دور کرنے کی مکروہ سازش میں مصروفِ عمل ہے۔ اور یہ دونوں باتیں ہی قابل مذمت ہیں۔

(iii) آگے مذکور ہے کہ اس نے مجبور ہو کر اپنے شوہر کے بڑے بھائی کے ہاں کام شروع کر دیا۔ ان کی طرف سے ذلت آمیز رویہ برداشت کرنا پڑا، جس کی بناء پر ایک دن روتے روتے سو گئی، خواب میں ایک نقاب پوش بی بی تشریف لائیں اور فرمایا، "اے نیک خاتون تو اپنے شوہر کے لئے پریشان نہ ہو۔ ان شاء اللہ (عزوجل) تیرا شوہر صحیح وسالم تجھ سے آکر ملے گا، تم جمعرات کے دن دس بیبیوں کی کہانی سنو، کہانی دس بیبیوں کی بہت سچی اور آزمودہ ہے۔"

تبصرہ:۔

جیسا کہ ماقبل ثابت ہو چکا کہ یہ نقاب پوش خاتون بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تھیں۔ چنانچہ اس حصے میں آپ کی جانب ایک جھوٹ منسوب کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس رسالے میں موجود مواد سچ نہیں، بلکہ جھوٹ وخرافات کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ اسے سچا قرار دینا، صاف جھوٹ ہے اور جھوٹ گناہِ کبیرہ ہے۔ لھذا معلوم ہوا کہ اس شخص

نے بنتِ رسول (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی جانب گناہِ کبیرہ کی نسبت کی ہے۔اور یقیناً یہ فیصلہ کرنا بالکل دشوار نہ ہوگا کہ رسول خدا (ﷺ) کی پاکیزہ فطرت صاحبزادی کی جانب گناہِ کبیرہ منسوب کرنا، خود بہت بڑا گناہ اور حرام فعل ہے۔اور جب اس کا گناہ ہونا ثابت، تو اس کو سننا یا سنانا بھی ممنوع قرار پائے گا۔

حیرت ہے کہ سننے، سنانے والی ہماری نادان بہنیں اسی رسالے کے آخر میں ناشر کی جانب سے لکھے گئے ان الفاظ پر بھی غور نہیں کرتیں،

''نوٹ:۔اس قسم کی کہانیوں کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں۔''

پھر یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ رسالے کا نام دس بیبیوں کی کہانی رکھا اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو بھی اس کی تلقین کرتے ظاہر کیا گیا ہے، لیکن پورے رسالے میں دس بیبیوں کی کہانی کا سرے سے وجود ہی نہیں۔یقیناً دس عورتوں کا ذکر اور بات ہے اور ان کی کہانی ایک الگ چیز ہے، فقط کسی کے تذکرے کو کہانی نہیں کہہ دیا جاتا۔لیکن ہماری مسلمان بہنیں اپنی نادانی کی دنیا سے باہر نکلیں، تو انہیں ان امور پر توجہ کا موقع ملے۔

(iv) تیسری زن فرعون آسیہ۔یہ بنی اسرائیل کے خاندان کی لڑکی تھیں۔ ان کے باپ کا نام مراہم تھا۔

تبصرہ:۔

غلط، ان کے والد کا نام ''مزاحم'' تھا۔جیسا کہ تفسیر کبیر وغیرھا معتمد کتبِ تفسیر میں درج ہے۔

(v) بچپن سے ان کو خدا پرستی کی تعلیم ملی تھی۔ ایسی مقدس بی بی کی شادی فرعون جیسے بدذات سے ہوگئی تھی۔ شائد اللہ کو منظور تھا کہ حضرت موسیٰ وہارون کی پرورش ان کی گود میں ہو، کافروں کی گود میں نہ ہو۔

تبصرہ:۔

اس میں دو باتیں غلط ہیں۔

(۱) انہیں بچپن سے خدا پرستی کی تعلیم نہ ملی تھی۔ اگر ایسا ہی ہوتا، تو یہ شروع سے ہی ایمان والی ہوتیں۔ حالانکہ آپ اس وقت ایمان لائیں، جس وقت آپ نے سنا کہ حضرتِ موسیٰ (علیہ السلام) نے جادوگروں سے مقابلہ فرماتے ہوئے، اپنا عصائے مبارک زمین پر ڈالا اور انہیں شکست فاش دی۔ تفسیر کبیر میں ہے، "آمنت حین سمعت قصة القاء موسی عصاه وتلفت العصا۔ یعنی آپ اس وقت ایمان لائیں کہ جب آپ نے موسیٰ (علیہ السلام) کے عصا ڈالنے اور آپ کے عصا کے (جادوگروں کے سانپوں) کو نگلنے کا قصہ سنا۔" (جلد ۱۰۔ صفحہ ۴۷)

(۲) آپ نے فقط موسیٰ (علیہ السلام) کی پرورش کی تھی، ہارون (علیہ السلام) کی نہیں۔

(vi) آگے بی بی ہاجرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ بچے کو اللہ پر چھوڑ کر پانی کی تلاش میں سات مرتبہ پہاڑی پر چڑھیں اور اتریں اور بچہ روتا رہا۔ جب بچے کا خیال آتا اتر آتیں، جب پیاس کا خیال آتا، پہاڑی پر چڑھ جاتی تھیں۔

تبصرہ:۔

مؤلف نے ظاہر کیا کہ آپ ایک ہی پہاڑی پر سات بار چڑھیں اور اتریں ،حالانکہ حقیقۃً ایسا نہیں ، بلکہ آپ پہلے آپ صفا پہاڑ پر چڑھیں، جب وہاں پانی نہ پایا،تو مروہ پہاڑ پر تشریف لے گئیں۔یہی عمل سات مرتبہ دہرایا۔

تفسیر خزائن العرفان میں آیتِ کریمہ ''اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ۔یعنی بے شک صفااور مروہ اللہ کے نشانوں سے ہیں۔'' کے تحت ہے،

''صفااور مروہ مکہ مکرمہ کے دو پہاڑ ہیں، جو کعبہ معظّمہ کے مقابل جانب شرق واقع ہیں۔مروہ شمال کی طرف مائل اور صفا جنوب کی طرف جبل ابی قیس کے دامن میں ہے۔حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پہاڑوں کے قریب اس مقام پر جہاں چاہ زمزم ہے بحکم الٰہی سکونت اختیار فرمائی ۔ اس وقت یہ مقام سنگلاخ بیابان تھا، نہ یہاں سبزہ تھا، نہ پانی ، نہ خورد ونوش کا کوئی سامان، رضائے الٰہی کے لئے ان مقبول بندوں نے صبر کیا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام بہت خرد سال تھے۔ تشنگی سے جب ان کی جاں بلبی کی حالت ہوئی، تو حضرت ہاجرہ بے تاب ہوکر کوہِ صفا پر تشریف لے گئیں۔وہاں بھی پانی نہ پایا۔تو اتر کر نشیب کے میدان میں دوڑتی ہوئی مروہ تک پہنچیں، اس طرح سات مرتبہ گردش ہوئی اور اللہ تعالی نے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ کا جلوہ اس طرح ظاہر فرمایا کہ غیب سے ایک چشمہ زمزم نمودار کیا اور ان کے صبر اخلاص کی برکت سے ان کے اتباع میں ان دونوں پہاڑوں کے درمیان دوڑنے والوں کو مقبول بارگاہ کیا اور ان دونوں کو محل اجابت بنایا۔ (صفحہ نمبر ۳۰)

(vii) اسیر کربلا اپنے پیاروں کی سوگوار حضرت سکینہ نے کس قدر مظالم

سہے، مگر یتیمی کا صدمہ نہ اٹھا سکی، اپنے باپ کے لئے رہائی کی تمنائیں لئے تڑپ تڑپ کر قید خانے میں رحلت پائی۔

تبصرہ:۔

اس بے عقل کی نشے میں لکھی گئی تحریر دیکھئے کہ ایک طرف بی بی سکینہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کو یتیم قرار دے رہا ہے، تو دوسری طرف ان کی جانب اپنے باپ کی رہائی کی تمنا منسوب کردی، جس سے والد کی زندگی ثابت ہو رہی ہے۔

بی بی سکینہ (رضی اللہ تعالی عنہا)، امام عالی مقام حضرت حسین (رضی اللہ تعالی عنہ) کی صاحبزادی ہیں۔ کربلا میں والد کے ہمراہ تھیں اور آپ کے سامنے ہی والد شہید کئے گئے تھے۔ اس کے باوجود مؤلف کا ان کی جانب والد کی رہائی کی تمنا منسوب کرنا، ایک بھونڈا انداق ہے یا نہیں؟....

آخر میں صاف جھوٹ لکھ دیا کہ آپ کی رحلت قید خانے میں ہوئی تھی۔ حالانکہ آپ واقعہ کربلا کے بعد عرصہ دراز تک حیات رہیں تھیں اور آپ کا نکاح حضرت مصعب بن زبیر (رضی اللہ تعالی عنہ) سے ہوا تھا۔ جیسا کہ کتبِ تاریخ میں درج ہے۔

(viii) میرا نام فاطمہ زہرا (رضی اللہ تعالی عنہا) ہے اور میری بیٹیاں یہ ہیں۔ حضرت زینب، جناب ام کلثوم، جناب فاطمہ صغری، فاطمہ کبری، جنابِ سکینہ (رضی اللہ تعالی عنہن)۔

تبصرہ:۔

یہاں بھی جھوٹ لکھا گیا۔ کیونکہ ذکر کردہ عورتوں میں سے فقط بی بی زینب وکلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہی آپ کی صاحبزادیاں ہیں۔

فاطمہ صغریٰ اور سکینہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)، آپ کی نہیں، بلکہ امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولادِ پاک ہیں۔

نیز فاطمہ کبریٰ تو آپ خود ہیں، معلوم ہوا کہ مسٹر مؤلف نے جنابِ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو اپنی ہی بیٹی بنا دیا۔

آپ کے بطن سے چھ بچے پیدا ہوئے۔ جن میں سے تین لڑکے (امام حسن وحسین ومحسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)) اور تین لڑکیاں (زینب وام کلثوم ورقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن) تھیں۔ جیسا کہ مدارج النبوت وغیرھا کتب میں مذکور ہے۔

(xi) آگے مذکور ہے کہ بھاوج نے نیاز کا لڈو کھانے سے انکار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے ایک طویل عذاب میں مبتلاء کر دیا۔ چنانچہ اس کے بچے مر گئے، غلہ اور سب سامان غائب ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ جس بھی کھانے کو ہاتھ لگاتی تھی، سڑ جاتا تھا۔

تبصرہ:۔

یہ سب بکواس وجھوٹ ہے۔ نیاز زیادہ سے زیادہ ایک مستحب عمل ہے۔ اس کا انکار برکت سے محرومی کا سبب تو قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن وجہِ عذاب نہیں۔

(xii) درمیان میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے، جس کے شروع میں لکھا، ''وہ کہانی یہ ہے۔''...

تبصرہ:۔

اگر اس سے مراد دس بیبیوں کی کہانی ہے، تو مخفی نہیں کہ اس میں دس بیبیوں کا کوئی قصہ نہیں۔ اور اگر اس کے علاوہ مراد ہے، تو دس بیبیوں کی کہانی کہاں گئی؟...

(xiii) اس کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی (رضی اللہ تعالی عنہ) نے سید الانبیاء (ﷺ) کی دعوت کی۔ گھر میں کچھ کھانے کو نہ تھا، چنانچہ تھوڑے سے جو، قرض مانگ کر لائے اور اس کی چھ روٹیاں تیار کی گئی۔ ایک رسول اللہ (ﷺ) کے لئے، دوسری حضرت علی، تیسری بی بی فاطمہ، چوتھی اور پانچویں حسنین کریمین (رضی اللہ تعالی عنھم) اور چھٹی ان حضرات کی خادمہ فضہ کے حصے میں آئی۔

تبصرہ:۔

کافی تلاش و جستجو کے باوجود فضہ نام کی کسی خادمہ کا تذکرہ نہ مل سکا۔ نہ صحابیات کے ذکر میں ہی اس نام کی کوئی خاتون نظر آئیں۔ ہاں فضہ نام کے ایک مرد راوی کا تذکرہ ضرور نظر آیا۔

چنانچہ حضرت احمد بن علی بن حجر عسقلانی (رضی اللہ تعالی عنہ) لکھتے ہیں، ''فضة بكسر اوله وتشديد المعجمة ابو مودود البصرى نزيل خراسان مشهور بكنية فيه لين من الثامنة۔'' (تقریب التہذیب۔جلد2۔صفحہ 14)

محسوس ہوتا ہے کہ واقعہ گھڑنے والے نے اس نام کی خادمہ کو بھی اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے۔

(xiv) اگلے دن سیدہ فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنھا) نے اور ان کے بعد نواسوں نے دعوت کی۔ ہر مرتبہ حضرت علی (رضی اللہ تعالی عنہ) قرض لا کر روٹیاں بنواتے رہے۔ آخر میں فضہ نے دعوت پیش کی۔ سرکار (ﷺ) نے اسے بھی قبول فرمالیا۔ فضہ

ناداری کی وجہ سے انتظام نہ کرسکی اور نہ ہی گھر والوں کو کچھ بتایا۔ جب سرکار (ﷺ) تشریف لے آئے، تو بقیہ گھر والوں کو خبر ہوئی۔ حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فضہ سے فرمایا، ''اگر تو پہلے بتادیتی، تو میں انتظام کردیتا۔'' فضہ نے کہا، ''آپ فکر نہ کریں، اللہ عزوجل مسبب الاسباب ہے۔''

تبصرہ:۔

غور کرنے پر محسوس ہوگا کہ یہاں حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اللہ تعالیٰ کے بجائے دنیوی اسباب اور لونڈی کو اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کرنے والا ثابت کیا گیا ہے۔

(XV) فضہ ایک گوشے میں جاکر سجدۂ معبود میں گرگئی اور دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے جنت سے کھانا بھیج دیا، جسے سارے گھر والوں نے نوش فرمایا۔''

تبصرہ:۔

بالکل جھوٹ۔ کیونکہ اگر یہ کھانا واقعی جنت سے آیا ہوتا، تو کبھی بھی ختم نہ ہوتا، کیونکہ جنت کی نعمتوں میں فناء نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سید الانبیاء (ﷺ) جنتی خوشے کو دنیا میں نہ لائے تھے۔ جیسا کہ

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے مروی ہے کہ ''زمانۂ رسول (ﷺ) میں ایک مرتبہ سورج کو گہن لگا، چنانچہ آپ نے نماز پڑھائی۔ فراغت کے بعد صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے عرض کی، ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنی جگہ سے کسی شے کو پکڑ رہے ہیں، پھر ہم نے

آپ کو پیچھے ہٹتے دیکھا؟''....آپ نے ارشاد فرمایا،''بے شک مجھے جنت دکھائی گئی،تو میں نے اس میں سے (کسی پھل کا) ایک خوشہ لینے کا ارادہ کیا،اگر میں اسے لے آتا،توتم اسے دنیا باقی رہنے تک کھاتے رہتے۔'' (جلد ا۔کتاب الاذان)

علامہ بدرالدین عینی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں،

''معناہ لواردت الاخذ لاخذت ولو اخذت لاکلتم منہ مابقیت الدنیا ای مدۃ بقاء الدنیاالی انتہا ئہاوقال التیمی قیل لم یاخذ العنقود لانہ کان من طعام الجنۃ وھو لایفنی ولایجوزان یؤکل فی الدنیاالامایفنی لان اللہ تعالیٰ خلقھاللفناء فلایکون فیھاشیء من امور البقاء۔یعنی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں اس خوشے کو پکڑنے کا ارادہ کرتا،تو ضرور پکڑ لیتا اور اگر میں اسے پکڑ لیتا،توتم اسے دنیا کے باقی رہنے تک کھاتے رہتے۔تیمی نے فرمایا،''کہا گیا ہے کہ آپ نے گچھا نہ پکڑا،کیونکہ وہ جنت کے کھانوں میں سے تھا اور جنت کے کھانوں کو فناء نہیں اور دنیا میں فقط ان ہی چیزوں کا کھانا ممکن ہے کہ جو فناء ہونے والی ہیں،کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے فناء ہونے کے لئے ہی بنایا ہے،چنانچہ اس میں کوئی باقی رہنے والی شے نہیں ہوسکتی۔''

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری۔المجلدالرابع۔صفحۃ428)

نیز کھانے کے لئے''نوش''کے لفظ کا استعمال یقیناً کسی جاہل سے ہی متوقع ہے۔کیونکہ نوش،پینے والی چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔کھانے والی اشیاء کے لئے''تناول''استعمال کیا جاتا ہے۔

(xvi) سرکار (ﷺ) نے پوچھا''یہ کہاں سے آیا؟''گو آپ جانتے

تھے اور معلوم تھا، حضرت جبرائیل رستے میں بتا گئے تھے۔ آپ کو یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ ہمارے گھر کی لونڈیاں بھی اللہ کو ایسی پیاری اور محبوب ہیں کہ ان کے سوال بھی اللہ رد نہیں فرماتا۔

تبصرہ:۔

چونکہ یہ واقعہ اپنے پاس سے گھڑا گیا ہے، لھذا اس میں جتنی باتیں اللہ عزوجل، اس کے حبیب (ﷺ) اور جبرئیل (علیہ السلام) کی جانب منسوب کی جارہی ہیں، سب کی سب جھوٹ ہیں۔ اور اللہ عزوجل اور اس کے حبیب (ﷺ) کی جانب جھوٹ منسوب کرنا بدبختی اور جہنم کا راستہ ہے۔ جیسا کہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ''فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظّٰالِمُوْنَ ۔تو اس کے بعد جو اللہ پر جھوٹ باندھے، تو وہی ظالم ہیں۔'' (پ۴۔آل عمران۔۹۴)

اور مخبرِ اعظم (ﷺ) کا فرمان ہے، ''جو مجھ پر جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔'' (صحیح البخاری۔المجلد الاول۔کتاب العلم)

اب ہماری مسلمان بہنیں خود غور فرمالیں کہ کہ ایک جھوٹے کے کلام کو پڑھنے سے برکت بڑھے گی.. یا.. کم ہوگی!......

(xvii) ائمہ طاہرین کی محبت سے سب کچھ مل سکتا ہے۔

تبصرہ:۔

لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔ طاہرین، طاہر کی جمع ہے اور اس کا معنی پرندہ ہے۔

اب مذکورہ جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسے ائمہ جو پرندے ہیں، ان کی محبت سے سب کچھ مل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پڑھنے والیوں کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

میری محترم مسلمان بہنو!

اس قسم کی خلافِ شرع باتوں کو باعثِ برکت سمجھنا سوائے جہالت کے اور کچھ نہیں۔ لھذا ایسی کتابیں پڑھنے کے بجائے اچھی اور مستند کتابیں پڑھیے۔ قرآن کریم، اللہ عزوجل کی سب سے پیاری، مستند ترین اور مقدس کتاب ہے۔ جس کو پڑھنے کی برکت سے گھر میں برکات کے نزول کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اگر مسلمان بہنوں کو جمع کر کے نیاز کا اہتمام کرنا ہی چاہیں، تو سب کو جمع کر کے ایک رکوع تلاوت کریں۔ پھر اس کا ترجمہ اور تفسیر بیان کر لیں۔ حسب سابق نیاز وغیرھا کا اہتمام کرنا چاہیں، تو حرج نہیں، بشرطیکہ اپنے پاس سے الٹی سیدھی شرطیں نہ قائم کی جائیں۔ پھر دیکھئے کہ کیسی کیسی برکات کا نزول ہوتا ہے۔ ترجمہ قرآن کے لئے ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان'' کا انتخاب فرمائیے۔ اسی کے ساتھ تفسیر خزائن العرفان بھی مل جاتی ہے۔ آپ ترجمے والا قرآن پاک خریدیں، تو دکاندار کو کہہ دیجئے گا کہ ہمیں تفسیر خزائن العرفان والا قرآن چاہیئے۔ یہ ترجمہ قرآن المکتبۃ المدینہ کے اسٹال سے بآسانی مل سکتا ہے۔

آخر میں دو گزارشیں حاضر خدمت ہیں، امید ہے کہ توجہ سے پڑھ کر ذہن میں محفوظ رکھا جائے گا۔

﴿1﴾ ان بے سروپا کہانیوں کو پڑھنے، سننے سے آپ خود بھی بچیئے اور

دوسروں کو بھی بچنے کی ترغیب دیجئے۔ان شاء اللہ (عزوجل) اس سے اہل بیت اطہار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی ارواح طیبات سکون پائیں گی۔

﴿2﴾ ہوسکتا ہے کہ کبھی آپ نے یہ کہانیاں پڑھی ہوں، تو کسی قسم کا فائدہ حاصل ہوگیا ہو۔ایسی صورت میں قبول حق ذرا مشکل ہوجاتا ہے۔لیکن یاد رکھئے کہ اگر خلافِ شرع بات سے اگر کسی نعمت کا حصول نظر آئے، تو یہ اللہ (عزوجل) کے کرم نہیں، بلکہ غضب کی علامت ہے۔نیز اس پہلو پر بھی ضرور غور کریں کہ کفار بھی اپنی غلط رسومات وعقائد کے بدلے میں فائدے حاصل کرتے ہیں، لیکن کوئی بھی ان فائدوں کے حصول کو دلیل بنا کر ان کے عقائد کو درست قرار نہیں دے سکتا۔پس اس طرح یہاں بھی سمجھنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ وشعور کی دولت سے مالا مال فرمائے۔آمین بجاہ النبی الامین (صلی اللہ علیہ وسلم)

✪✪✪✪✪=====✪✪✪✪✪

ختم شریف۔ 22.3.2004
Time : 6:00 PM